Globethics Repository

Iqtisadiyat islam: Tashkil jadid (Islamic economics: New construct) PART 4

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-07-01 15:15:30
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/188553

باب سوم

وَاٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اٰتٰـكُمۡ

(النور، ۲۴: ۳۳)

اِسلام کا تصورِ ’’مال‘‘

www.MinhajBooks.com

لغوی معنی

مال کے لغوی معنی جھکنے، ایک طرف مڑ جانے اور خم کھانے کے ہیں، علاوہ ازیں یہ لفظ کئی اور مفاہیم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ لفظ مال کی تعریف کرتے ہوئے امام راغب الاصفہانی (م ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

العدول عن الوسط إلی أحد الجانبین و المال سُمّي بذلک.[۱]

''وسط سے ایک جانب کو مڑ جانا اور (مال) کو مال بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں۔''

۲۔ مال کی تعریف عام طور پر فقہاء کرام نے ان الفاظ میں کی ہے:

المال: ما یمیل إلیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة و المالیة تثبت بتمول الناس کافة أو بعضهم.[۲]

''مال وہ چیز ہے جس کی طرف انسانی طبیعت مائل ہو اور اس کا مشکل وقت کے لئے جمع کیا جانا بھی ممکن ہو اور مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے متمول ہونے سے ثابت ہو جاتی ہے۔''

۳۔ بعض فقہاء نے اس کی تعریف درج ذیل الفاظ سے کی ہے:

المال: کل ما یملک وینتفع به وسمي مالاً لمیل الطبع إلیه.[۳]

---

(۱) اصفهاني، مفردات الفاظ القرآن: ۷۸۳

(۲) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳

(۳) السید سابق، فقه السنة، ۳: ۴۶

’’ہر وہ چیز جس کی ملکیت ممکن ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے مال کہلاتی ہے۔ اسے مال اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی طرف انسانی طبیعت کا میلان ہوتا ہے۔‘‘

۴۔ امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کے نزدیک ہر اس شے کو جسے عند الضرورۃ فائدہ حاصل کرنے کے لئے ذخیرہ (جمع) کیا جا سکے، مال کہتے ہیں اور آپ کے قول کے مطابق کسی شے کا قیمتی ہونا از خود اس کی مالیت کو ثابت کرتا ہے جبکہ امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) کے نزدیک محض امکانِ ملکیت سے مالیت ثابت ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ) کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

المال: ما من شأنه أن يدّخر للانتقاع وقت الحاجة والتقويم يستلزم المالية عند الإمام والملك عند الشافعي.(۱)

’’مال وہ شے ہے جسے حاجت کے لئے جمع کیا جا سکے امام اعظم کے نزدیک شے کا قیمتی ہونا اور امام شافعی کے نزدیک امکانِ ملکیت سے مالیت کا ثبوت ہوتا ہے۔‘‘

۵۔ ابن عابدین شامی مزید لکھتے ہیں:

المال اسم لغير الآدمي خلق لمصالح الآدمي وأمكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار.(۲)

’’آدمی کے سوا ہر وہ چیز جو انسان کے فائدے کے لئے تخلیق کی گئی ہے مزید برآں اس کا محفوظ کرنا اور اس میں اختیاری طور پر تصرف کرنا بھی ممکن ہو مال کہلاتی ہے۔‘‘

(۱) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳

(۲) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳

لفظ مال بمعنی مالیات، دولت ، علم (معاشیات)، بیت المال، ذھب، دینار، درہم وغیرہ بھی مستعمل ہے۔ قدیم عربی زبان میں اس کے معنی کوئی مقبوضہ یا مملوکہ چیز کے ہیں۔ بدویوں کے ہاں اس سے خاص طور پر اونٹ مراد ہوتے تھے۔ لیکن اس لفظ کا اطلاق جائیداد اور روپے پیسے پر بھی ہوتا ہے، اس طرح اس کا اطلاق کسی قسم کی بھی مادی اشیاء پر ہوسکتا ہے (جومنفعت اور ضرورت کے نقطۂ نظر سے وسیلہ بن سکیں) یہ لفظ ”ما“ اور ”ل“ کا مجموعہ ہے اور اس کا صحیح مفہوم یہ ہے: ’’کوئی ایسی شے جو کسی کی ملکیت ہو۔‘‘ بحیثیت اسم اسے قدرتی طور پر مادہ ’’م۔و۔ل‘‘ سے مشتق قرار دے کر اس سے فعل ’’تَمَوُّل‘‘ بنتا ہے۔ نقدی کے مفہوم میں اس لفظ کو ’’مالِ صامت‘‘ (گونگا مال) کی شکل میں استعمال کیا جاتا ہے، برعکس ’’مال ناطق‘‘ (بولنے والا مال) کے جو غلاموں اور مویشیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۶۔ مال کے مفہوم میں ’’ملکیت‘‘ شامل ہے النھایہ میں ابنِ اثیر (۵۴۴۔۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

المال في الأصل ما يملک من الذهب والفضة ثم أطلق علی کل ما يقتنی ويملک من الأعيان.(۱)

’’اصل مال سے مراد سونا چاندی ہے پھر اس کا اِطلاق ہر اس شے پر ہوتا ہے جسے کمایا جائے اور مادی چیزوں میں سے باقاعدہ ملکیت میں رکھا جائے۔‘‘

قرآن مجید میں لفظ ’’مال‘‘ مختلف لفظی شکلوں کے ساتھ ۸۶ بار آیا ہے۔ علاوہ ازیں احادیثِ نبوی ﷺ میں متعدد جگہوں پر یہ لفظ مذکور ہے۔ متعلقہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ میں مال کی ماہیت، مال کمانا اور خرچ کرنا، اکتسابِ مال میں حلال و حرام کی تمیز، مالداروں کی نفسیات، ان کے اوصاف، عادات و خصائل اور ان کا انجام کار اور

(۱) ابن اثير، النهاية في غريب الحديث والأثر، ۴: ۳۷۳

صرفِ مال کے اسلامی اصول وضوابط وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔

معاشیات کی دنیا میں لفظ مال کا مترادف ’’زر‘‘ (Money, Wealth, Capital) ہے چاہے وہ نقد (Cash) کی شکل میں ہو یا اجناس، جانور، معدنیات، عمارات، جائیداد وغیرہ کی شکل میں ہوں۔ دورِ جدید میں سکے (Coins)، کرنسی نوٹ، ڈرافٹ اور ہنڈیاں (Drafts and Bills)، خزانے کی ہنڈیاں (Treasury Bills)، بانڈز (Bonds)، سرمایہ جاتی حصص (Equity Shares)، معین امانتیں اور بچتوں کی امانتیں (Fixed Deposits and Savings)، بچتوں کے سرٹیفکیٹس (Saving Certificates)، ٹریولر چیک، انشورنس کمپنیوں کی پالیسیاں، جنرل پراویڈنٹ فنڈ کی بچتیں، بینکوں، ڈاکخانوں اور دیگر مالی اداروں کی ماہانہ، ششماہی اور سالانہ انکم سکیمیں، حکومت کے جاری کردہ انعامی بانڈز اور کریڈٹ کارڈ (Credit Card) وغیرہ سب زر یعنی مال کے زمرہ میں آتے ہیں۔

اِسلامی تصورِ مال

اسلام مال کے ضمن میں واضح تعلیمات و ہدایات پیش کرتا ہے۔ ذیل میں اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ تمام مال ملکیتِ الٰہیہ ہے

قرآن مجید نے قطعی طور پر اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ ﷻ کا تخلیق کردہ ہے۔ وہی ہے جو ان کے نظام سے واقف ہے اور احسن طریقے سے ان کے نظام کو چلا رہا ہے۔ اس طرح یہ بات عیاں ہے کہ وہ ان کا مالکِ حقیقی ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo (۱)

’’جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے، وہ باتیں جو تمہارے دلوں میں ہیں خواہ انہیں ظاہر کرو یا انہیں چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر جسے وہ چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہےo‘‘

۲۔ اسی طرح فرمایا:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (۲)

’’کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔‘‘

۳۔ اور پھر فیصلہ کر دیا:

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ط اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَo وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَo (۳)

’’اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اسی کا ہے اور (سب کے لئے) اسی کی فرمانبرداری واجب ہے۔ تو کیا تم غیر از خدا (کسی) سے ڈرتے ہوo اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے، پھر

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۴

(۲) البقرة، ۲: ۱۰۷

(۳) النحل، ۱۶: ۵۲، ۵۳

جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کے آگے گریہ وزاری کرتے ہو o‘‘

سورۃ النحل میں استفہامیہ انداز اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت اور تمام مخلوقاتِ زمین اور اس کی ساری موجودات کا مالک ہونے کی حقیقت کو آشکار کر دیا۔ اس طرح یہ ثابت ہوا کہ مال جس حالت میں بھی ہے اس کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے۔

۲۔ انسان مال کا امین ہے

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ انسان کے پاس جو مال و املاک ہیں ان کا اصل مالک اللہ ہے۔ انسان محض اللہ کا نائب ہونے کے ناتے ان املاک میں تصرف کا مجاز ہے۔ لیکن اس کا تصرف اور رویہ مالکِ حقیقی کی ہدایات اور اوامر و نواہی کے تحت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی گوناگوں عنایات میں سے افراد کو مال سے نوازا۔ گویا ایک امانت سونپی اور اس کے تصرف کا اختیار دیا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ انسان کے مال پر مالکانہ حقوق مطلق نہیں بلکہ محدود اور مقید ہیں۔ جو اس کو اللہ ہی کے دیئے ہوئے مال کا امین ہونے کا شرف بخشتے ہیں۔ اللہ کا نائب اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کا امین ہونے کی حیثیت سے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مالکِ حقیقی کے احکامات بجا لائے۔ مالکانہ تصرف کے باب میں خود کو آزاد سمجھنا اور ہدایاتِ خداوندی سے اجتناب و انحراف کرنا صریح گمراہی ہے۔

۳۔ اکتسابِ مال

اسلام انسان کی جسمانی زندگی، اس کے تقاضوں اور اس کی مادی ضرورتوں کو نظر انداز نہیں کرتا، وہ اپنے ماننے والوں کو ترکِ دنیا یعنی رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کی نفی کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اعلان فرمایا:

لا رهبانية في الإسلام.(۱)

(۱) ۱۔ عسقلاني، فتح الباري، ۹: ۱۱۱، رقم: ۴۷۷۶

۲۔ شوكاني، نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، ۶: ۲۳۱

''اسلام میں گوشہ نشینی نہیں۔''

اسی طرح اسلام کے نزدیک انسان میں مستور ممکنہ قوتیں اور خوابیدہ صلاحتیں اسی وقت بیدار ہوتی ہیں جب وہ کشمکش حیات اور معاشی جدوجہد (Economic Activities) میں بھر پور حصہ لیتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی ﷺ میں بہترین اور منظّم انداز میں کسبِ مال، اکتسابِ دولت اور حصولِ منفعت کی دعوت و ترغیب دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo [(۱)]

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کردے)o''

۲۔ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا. [(۲)]

''اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول۔''

اسلام میں مال اور اکتسابِ مال کو ''اللہ کا فضل تلاش کرنے'' کے مترادف کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً:

۳۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْکُرُوا اللهَ کَثِيْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَo [(۳)]

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤo''

---

(۱) النجم، ۵۳: ۳۹

(۲) القصص، ۲۸: ۷۷

(۳) الجمعة، ۶۲: ۱۰

۴۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○[1]

’’پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے○‘‘

۵۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.[2]

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۶۔ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○[3]

’’اور تُو اس میں کشتیوں (اور جہازوں) کو دیکھتا ہے جو (پانی کو) پھاڑتے چلے جاتے ہیں تاکہ تم (بحری تجارت کے راستوں سے) اس کا فضل تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکرگزار ہو جاؤ○‘‘

اسی طرح احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں اکتسابِ مال کی رغبت دلائی گئی ہے، اس ضمن میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.[4]

---

(۱) العنكبوت، ۲۹: ۱۷

(۲) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۳) فاطر، ۳۵: ۱۲

(۴) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۷۴، رقم: ۹۹۹۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱

۴۔ أبونعيم، حلية الأولياء و طبقات الأصفياء، ۷: ۱۲۶ ←

''رزقِ حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔''

۲۔ إذا صليتم صلاة الفجر فلا تناموا عن طلب أرزاقكم.(۱)

''جب تم صبح کی نماز ادا کرلو تو اپنے رزق کے لیے جدوجہد کیے بغیر نیند (آرام وغیرہ) کا نام نہ لو۔''

۳۔ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إن من الذنوب ذنوبًا لا تكفرها الصلاة ولا الصيام ولا الحج ولا العمرة، قالوا: فما يكفرها يارسول الله؟ قال: الهموم في طلب المعيشة.(۲)

''گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے ہیں جنہیں نہ نماز معاف کراتی ہے نہ ہی روزہ، حج اور عمرہ معاف کراتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر انہیں کیا معاف کراتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کا کفارہ صرف طلبِ معیشت کی فکر اور کاوش ہی سے ہوسکتا ہے۔''

۴۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض.(۳)

۵۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱ ......

۶۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸

(۱) ۱۔ هندي، كنز العمال، ۴: ۲۱، رقم: ۹۲۹۹

۲۔ شعراني، كشف الغمة من جميع الأمة، ۲: ۳

۳۔ عجلوني، كشف الخفاء ومنزيل الألباس، ۲: ۲۶، رقم: ۱۵۸۸

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الاوسط، ۱: ۱۰۳، رقم: ۱۰۲

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۹

(۳) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

”روزی کو زمین کے پوشیدہ سرمائے میں تلاش کرو۔“

۵۔ ما أکل أحد طعامًا قط خیرًا من أن یأ کل من عمل یدیه. (۱)

”کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے۔“

۶۔ عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ قال: قیل: یا رسول اللہ! أي الکسب أطیب؟ قال: عمل الرجل بیده وکل بیع مبرور. (۲)

”رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کونسی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔“

۷۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا تکونوا عیالاً علی الناس. (۳)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعمله بیده، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۰: ۲۶۷، رقم: ۶۳۱
۳۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۵: ۶۴، رقم: ۵۷۹۱

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۱، رقم: ۱۷۲۶۵
۲۔ هندي، کنز العمال، ۴: ۱۲۴، رقم: ۹۸۶۱
۳۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۰، رقم: ۶۲۱۰

(۳) ۱۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۲: ۸۱، رقم: ۱۲۱۶
۲۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۷: ۷۱
۳۔ کتانی، التراتیب الإداریة، ۲: ۲۳

’’دوسرے لوگوں پر اپنی پرورش کا بوجھ نہ ڈالو۔‘‘

۸۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کر رکھا تھا:

لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق.(۱)

’’تم میں سے کوئی شخص بھی طلبِ رزق کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے۔‘‘

مندرجہ بالا محولات سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلام فرد کو بھرپور انداز سے معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ رہبانیت، بھیک مانگنے اور دوسروں پر بوجھ بننے (To be Parasite) کی روش کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

۴۔ اکتسابِ مال کے مقاصد

اسلام دینِ فطرت ہونے کے ناتے انسانی زندگی سے متعلق تمام واجبات دینی و دنیاوی امور کو بھرپور طریقے سے ملحوظِ خاطر رکھتا ہے اور کسبِ معاش اور اکتسابِ مال کی اہم وجوہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانتوں میں سے جسم و جان کی حفاظت لازمی ہے، جس کے لیے خوراک، لباس اور مکان ضروری ہے، جب انسان ان جہتوں میں مطمئن ہو گا تو عبادات، جہاد، تبلیغِ دین و دیگر کارہائے خیر میں زیادہ لگن، یکسوئی، دلچسپی اور یگانگت کا مظاہرہ کر سکے گا۔ ظاہر ہے خوراک، مکان اور پوشاک کے لیے اکتسابِ مال ضروری ہے۔

۲۔ فرد پر اس کے والدین، بیوی بچوں، اقارب و دیگر افرادِ معاشرہ (مثلاً فقراء، مساکین وغیرہ) کے جو مالی فرائض ہیں انہیں پورا کرنے کے لیے مال کمانا ضروری ہے۔

(۱) كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

۳۔ اگر وہ صاحبِ ثروت ہے اور اس کا مال نصابِ زکوٰۃ کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو اسے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

۴۔ اگر وہ زمیندار یا مزارع ہے تو زمینی پیداوار پر عشر کی ادائیگی اس پر فرض ہوگی۔

۵۔ ماہِ صیام کے بعد صدقہ عید الفطر ادا کیا جائے گا۔

۶۔ بعض گناہوں، خطاؤں اور غلطیوں کا مالی کفارہ ادا کرنے کے لئے کسبِ مال ضروری ہے۔

۷۔ خود یا والدین کو حج کرانا اکتسابِ مال کے بغیر ممکن نہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. (۱)

’’اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔‘‘

۸۔ صاحبِ استطاعت شخص پر عید الاضحیٰ کے موقع پر جانور کی قربانی دینا لازمی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا. (۲)

’’جو شخص قربانی کی استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۹۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ۲: ۱۰۴۴، رقم: ۳۱۲۳

۲۔ دارمي، السنن، ۴: ۲۷۷، رقم: ۳۵

مذکورہ بالا مدات وہ ہیں جن سے عہدہ برآں ہونے کے لیے مال و زر کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے مال اور اکتسابِ مال کے لیے ٹھوس وجوہات فراہم کی ہیں تاکہ دنیاوی معاملات میں بھی بھرپور حصہ لیا جا سکے۔

۵۔ اکتسابِ مال کا طریقہ کار

اکتسابِ مال کے ضمن میں اسلام نے واضح ہدایات دی ہیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

اسلام جہاں مال کمانے کی اجازت دیتا ہے وہاں فرد کو شتر بے مہار کی طرح کھلا نہیں چھوڑتا کہ جس طرح چاہے اور جس ذریعہ سے مال آئے اس پر کوئی روک ٹوک نہ ہو بلکہ اس نے واضح حدود متعین کی ہیں۔ جن میں بطریقِ اولیٰ حلال و حرام مال اور اکتسابِ مال کے حلال وحرام ذرائع کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ○[۱]

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی بندگی بجا لاتے ہو○‘‘

۲۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ○[۲]

’’اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے○‘‘

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۲

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۶۸

۳۔ وَ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلٰلاً طَيِّبًا.(۱)

’’اور جو حلال پاکیزہ رزق اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھایا کرو۔‘‘

۴۔ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ.(۲)

’’اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزی کمانے کے لیے حلال طریقے اختیار کرے۔ اسے ہر وہ طریقۂ اکتسابِ مال اپنانا چاہیے جو ارشاداتِ خداوندی اور ہدایاتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہے، حلال کسبِ مال کی طرف لے جاتا ہے اور اپنے اندر درج ذیل اثرات لیے ہوئے ہے:

(۱) اَکلِ حلال سے فرد متقی رحمدل، سخی عامل اور پاکدامن ہو جاتا ہے۔

(۲) اسے سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے۔

(۳) عبادات میں خشوع و خضوع، یکسوئی، دلچسپی و لذت اور مزید نیک اعمال کرنے کی رغبت نصیب ہوتی ہے۔

(۴) کم کمائی میں بھی زیادہ برکت ملتی ہے۔

(۵) اکتسابِ مال کے عمل میں کسی کی حق تلفی روا نہ رکھنے سے معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

(۶) شعبہ تجارت بڑھوتری اور ترقی کی بنا پر معاشی خوشحالی کا موجب بنتا ہے۔

(۷) اجتماعی طور پر ملک میں معاشی اور معاشرتی ترقی ہوتی ہے۔

---

(۱) المائدۃ، ۵: ۸۸

(۲) الاعراف، ۷: ۱۵۷

اس کے برعکس ہر وہ طریقۂ اکتسابِ مال جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے ضابطوں، اصولوں اور طریقوں کے خلاف ہے حرام مال کمانے کی طرف راغب کرتا ہے۔

اکتسابِ مال کے حرام ذرائع کی تفصیل گذشتہ باب میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کا لبِ لباب یہ ہے:

جو شے ناحق طریقے سے لی جائے اور صحیح طریقہ کار کی بجائے ربو، رشوت، جوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی جائے وہ حرام ہے اس لیے کہ وہ ’’طیّب‘‘ نہیں ہے۔ پس ہر خبیث شے حرام ہے خواہ وہ خبث باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر ہی موجود ہو جیسا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سڑ کر بو آنا اور امراضِ جسمانی کا سبب بننا۔

جس طرح حلال مال اپنے اندر خیر و برکت اور انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے اسی طرح حرام مال اپنے اندر منفی، مضر اور تباہ کن اثرات لیے ہوئے ہے۔ مثلاً:

(۱) حرام کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی زیادہ مال بھی چٹکیوں میں اڑ جاتا ہے۔

(۲) حرام کمانے، حرام کھانے اور کھلانے سے ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے اور دلی سکون ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) حرام مال سے بنے ہوئے جسم والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۴) اولاد نافرمان ہو جاتی ہے۔

(۵) معاشی بدحالی کا دور دورہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

(۶) اجتماعی طور پر پورا معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۷) اس معاشرہ پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

۶۔صرفِ مال

اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے ضمن میں بھی اسلام بڑے واضح انداز میں مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ اگر ایک جانب جائز و حلال ذرائع سے مال کمانے کی اجازت دیتا ہے۔ تو دوسری جانب صاحبِ مال کو اس طرح کی آزادی نہیں دیتا کہ وہ جس طرح چاہے اپنی مرضی سے مال کو خرچ کرے اس لئے کہ مال انسان کے پاس اللہ کی دی ہوئی امانت ہے اور اس کے تصرف میں احکامِ خداوندی کی پاسداری اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایاتِ عالیہ کی پابندی کرنا لازمی ہے۔

صرفِ مال کے دو بڑے شعبے ہیں:

پہلا شعبہ

اس شعبہ کا تعلق فرد کی اپنی ذات، اہل وعیال اور ان لوگوں پر خرچ کرنے سے ہے جن کی کفالت کا ذمہ اس نے لیا ہوا ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں اہل وعیال اور زیرِ کفالت لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم ہے۔ ان کو خوراک، لباس، مکان، صحت، تعلیم وغیرہ مہیا کرنا صاحبِ خانہ کی ذمہ داری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ.(۱)

’’اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو۔‘‘

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۱)

’’پس تم اللہ سے ڈرتے رہو جس قدر تم سے ہو سکے اور (اُس کے احکام) سنو اور اطاعت کرو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا، اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچالیا جائے سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۝‘‘

اسی طرح فرد کو تاکید کی گئی ہے کہ جو نعمتِ مال اسے کمائی کے نتیجہ میں حاصل ہوئی ہے اس کا اس کی ذات پر واضح طور پر مثبت اثر نظر آنا چاہیے یہ نہ ہو کہ مال تو وہ خوب کماتا ہو لیکن خود لاغر، بیمار اور افسردہ نظر آئے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

فإن لجسدك عليك حقًا، وإن لعينك عليك حقًا، وإن لزوجك عليك حقًا. (۲)

’’تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔‘‘

۲۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

(۱) التغابن، ۶۴: ۱۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصوم، باب حق الجسم في الصوم، ۲: ۶۹۷، رقم: ۱۸۷۴

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب النكاح، باب لزوجك عليك حق، ۵: ۱۹۹۵، رقم: ۴۹۰۳

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۲: ۱۲۸، رقم: ۲۶۹۹

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۲۷۵، رقم: ۸۱۲۸

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲، رقم: ۷۶۱۲

فإذا أتاک الله مالًا فلیر أثر نعمة الله علیک و کرامته. (۱)

''جس اللہ کریم نے تمہیں مال کی نعمت سے نوازا ہے تو اس کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔''

۳۔ اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أنفق المسلم نفقة علی أهله، و هو یحتسبها، کانت له صدقة. (۲)

''جب کوئی مسلمان اپنے اہل و عیال پر ثواب اور ذمہ داری سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اللہ کریم کے ہاں اس کا صدقہ لکھا جاتا ہے۔''

۴۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

ابدأ بمن تعول. (۳)

''خرچ کرنے میں ان سے پہل کرو جن کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے۔''

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب اللباس، باب في غسل الثیاب والخلقان، ۴: ۵۱، رقم: ۴۰۶۳

۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۹: ۲۸۰، رقم: ۶۱۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۶

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۷۰، رقم: ۲۶۶۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۷۸، رقم: ۷۵۴۵

(۳) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب النفقات، باب وجوب النفقة علی الآهل والعیال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۵۲، رقم: ۶۴۰۲

۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۳: ۲۰۳، رقم: ۳۱۲۹

دوسرا شعبہ

دوسرے شعبہ کا تعلق فرد کی دیگر مالی ذمہ داریوں سے ہے۔

قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ میں صراحت کے ساتھ ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان ذمہ داریوں میں زکوٰۃ، حج یا عمرہ کی ادائیگی، مستحق رشتہ داروں کی اعانت، معاشرہ کے غرباء، مساکین، محتاج، نادار اور ضرورت مندوں کی مالی مدد، ہمسایوں، مسافروں، مستحق طلباء، دینی اداروں کی امداد، صدقاتِ نافلہ، قرضِ حسنہ، عاریت، ہبہ، وراثت میں شرعی حصہ دینا، رفاہ عامہ کے کام اور حسبِ استطاعت اسلامی ریاست کی مالی امداد میں حصہ لینا شامل ہیں۔

مثلاً معاشرہ میں اوّلین حق پڑوسی کا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مند ہمسایہ کی کفالت میں یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر ایک صاحبِ استطاعت مسلمان خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے تو وہ صحیح معنی میں مسلمان ہی نہیں۔

۱۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

لیس المؤمن الذي یشبع وجاره جائع إلی جنبه.(۱)

’’وہ شخص ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے مگر اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔‘‘

۲۔ ایک اور موقع پر ہمسایہ کی کفالت اور اس سے حسنِ سلوک کو ایک تاکیدی انداز میں یوں واضح فرمایا:

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۵۲، رقم: ۱۱۲

۲۔ بیهقي، السنن الکبری، ۱۰: ۳، رقم: ۱۹۶۶۸

۳۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷، رقم: ۱۳۵۵۵

مازال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه.(۱)

’’جبریل امین مجھے برابر ہمسایہ کے بارے میں تلقین کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ گمان کرنا شروع کر دیا کہ وہ اسے وراثت میں حصہ دار ٹھہرا دیں گے۔‘‘

۳۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم جاره.(۲)

’’جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے ہمسائے کا اکرام کرے۔‘‘

۴۔ معاشرہ کی بھلائی اور ترقی ایک صحت مند قوم کے لیے ضروری ہے۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ کسی بھی معاشرے کے تمام افراد امیر نہیں ہوتے بلکہ اس میں غرباء، مساکین، بے روزگار، بیوہ، محتاج و نادار وغیرہ کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ ایسے افراد کی مالی اعانت کے ضمن میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو القائم

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الوصائة بالجار، ۵: ۲۲۳۹، رقم: ۵۶۶۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، ۴: ۲۰۲۵، رقم: ۲۶۲۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في حق الجوار، ۴: ۳۳۲، رقم: ۱۹۴۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار، ۱: ۶۸، رقم: ۴۷

الّیل الصائم النهار.(۱)

''بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا ثواب میں اس مجاہد کی طرح ہے جو رات بھر کھڑا ہو کر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔''

صرفِ مال کے اس شعبہ میں اجتماعی معیشت کا بیان بھی آ جاتا ہے۔ احکامِ خداوندی میں ارشاد ہے:

۱۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ.(۲)

''اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔''

۲۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ.(۳)

''اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔''

۳۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِیْمٌ○(۴)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل، ۵:۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، ۲:۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰

(۲) البقرة، ۲:۱۷۷

(۳) بني اسرائیل، ۱۷:۲۶

(۴) البقرة، ۲:۲۱۵

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo‘‘

بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ شریعتِ محمدی ﷺ میں مال کے خرچ کرنے کا حکم ہے، صرفِ مال کی راہیں بھی متعین ہیں اور ان راہوں کے تحت خرچ کرنے والوں کے لیے اجر وثواب کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۴۔ **وَمَاجَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ج وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo**(۱)

’’اور اس (مدد کی صورت) کو اللہ نے محض بشارت بنایا (تھا) اور (یہ) اس لئے کہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور (حقیقت میں تو) اللہ کی بارگاہ سے مدد کے سوا کوئی (اور) مدد نہیں، بیشک اللہ (ہی) غالب حکمت والا ہےo‘‘

۵۔ **مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌo**(۲)

’’جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

(۱) الانفال، ۸: ۱۰

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۱

۷۔ بخل اور اِسراف وتبذیر سے اِجتناب

فرد کے لیے صرفِ مال کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ اتنا خرچ کرے جتنا مناسب اور ضروری ہو۔ اس سلسلہ میں بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے اور نہ ہی اسراف و تبذیر کو اپنا شعار بنائے۔ مباحات (جائز ضروریات و امور) میں مقدار سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف ہے۔

۱۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی○ وَ مَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی○ (۱)

’’اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا○ اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا○ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)○ اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا○‘‘

اسلام ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ مال کو عیش وعشرت کے کاموں میں صرف کر دیا جائے۔ خورد و نوش، رہائش، لباس، شادی بیاہ، سالگرہ و دیگر تقریبات کے مواقع پر بے بہا صِرف دکھاوے یا نام نہاد عزت حاصل کرنے کی غرض سے خرچ کرنا اسراف کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس امر کی ممانعت کے باب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۲۔ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ○ (۲)

’’اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو اور کھاؤ

(۱) اللیل، ۹۲: ۸۔ ۱۱

(۲) الاعراف، ۷: ۳۱

اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتاo‘‘

۱۔ بخل کی ممانعت کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خصلتان لا تجتمعان في مؤمن: البخل و سوء الخلق. (۱)

’’دو خصلتیں مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں: بخل اور بدخلقی۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

کلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا ما لم یخالطه اسراف أو مخیلة. (۲)

’’کھاؤ اور پیو اور دوسروں پر صدقہ کرو، کپڑے بنا کر پہنو بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو۔‘‘

لغوی اعتبار سے تبذیر کھیتوں میں بیج کا چھینٹا لگانا، پانی کو اتنا گندا کر دینا کہ اس کا رنگ تبدیل ہو جائے وغیرہ کے معانی میں مستعمل ہے۔ شرعی لحاظ سے تبذیر سے مراد اپنے مال کو حرام اور ناجائز کاموں میں خرچ کرنا ہے، قرآن مجید میں تبذیر کی سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في البخیل، ۴: ۳۴۳، رقم: ۱۹۶۲
۲۔ أبو یعلی، المسند، ۲: ۴۹۰، رقم: ۱۳۲۸
۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۲۱۱، رقم: ۳۱۹

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اللباس، باب البس ما شئت ما أخطأك سرف أو مخیلة، ۲: ۱۱۹۲، رقم: ۳۶۰۵
۲۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۵: ۱۷۱، رقم: ۲۴۸۷۷
۳۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۳: ۱۰۲، رقم: ۳۲۵۱

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا○[1]

’’اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ○ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے○‘‘

اسراف و تبذیر دونوں تھوڑے سے فرق کے ساتھ فضول خرچی کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسراف جائز (مباح) کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں جبکہ تبذیر حرام کاموں میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تبذیر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

التبذير: إنفاق المال في غير حقه.[2]

’’بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔‘‘

امام مالک (م ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

التبذير: هو أخذ المال من حقه ووضعه في غير حقه وهو الاسراف وهو حرام.[3]

’’تبذیر یہ ہے کہ انسان حق کے ساتھ کمائے مگر خلافِ حق خرچ کر ڈالے اور اس کا نام اسراف ہے اور یہ حرام ہے۔‘‘

حرام و ناجائز کام میں ایک درہم یا روپیہ بھی خرچ کرنا تبذیر ہے۔ امام

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

(۲) آلوسي، تفسیر روح المعاني، ۱۵: ۶۳

(۳) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۷

قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

من أنفق درهمًا في حرام فهو مبذّر.(۱)

’’جس نے حرام و ناجائز کام میں ایک درہم بھی خرچ کیا وہ مبذر (تبذیر کرنے والا) ہے۔‘‘

بنی نوع انسان کو بہترین معاشی تعلیمات فراہم کرتے ہوئے اسلام نے جہاں اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے لیے واضح ہدایات دی ہیں وہاں اسے غربت، پریشانی، پشیمانی اور ذہنی بدسکونی سے بچانے کے لیے اعتدال کی راہ دکھائی ہے۔ خصوصی طور پر صرفِ مال میں میانہ روی کی تعلیم دے کر فرد کے بہتر حال و مستقبل کی ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تَجۡعَلۡ يَدَکَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِکَ وَ لَا تَبۡسُطۡهَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا○(۲)

’’اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے○‘‘

۸۔ اقتصاد و اعتدال کا حکم

صرفِ مال کے ضمن میں اسلام نے فرد کو آفاقی اور حقیقی ہدایات سے نوازتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اس شعبہ میں اقتصاد و اعتدال کی راہ اپنانا عین عقل و دانش اور محفوظ معیشت کی ضامن ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اقتصاد و اعتدال کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۸

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًاo(۱)

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہےo''

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة.(۲)

''خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔''

۲۔ قال رسول الله ﷺ: من فقه الرجل رفقه في معيشته.(۳)

''اپنی معیشت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے دانا ہونے کی علامت ہے۔''

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الهدى الصالح والسمت الصالح والاقتصاد جزء من خمسة وعشرين جزءًا من النبوة.(۴)

---

(۱) الفرقان، ۲۵: ۶۷

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۷

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۴، رقم: ۲۱۷۴۲

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۷۴، رقم: ۶۳۰۸

(۴) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الوقار، ۴: ۲۴۷، رقم: ۴۷۷۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۶، رقم: ۲۶۹۸

’’سیرت اور نیک طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزاء کا پچیسواں حصہ ہے۔‘‘

۴۔ ما عال من اقتصد.(۱)

’’وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔‘‘

صرفِ مال میں میانہ روی بہت ہی اہم اور مثبت نتائج کی آئینہ دار ہے۔ معاشی میدان میں ہر دور کے بالغ النظر صاحبانِ علم اور خصوصی طور پر ماہرینِ معاشیات نے اس کے معتد بہ فوائد کو تسلیم کیا ہے۔ میانہ روی کے جو معاشرتی اور معاشی اثرات نمودار ہوتے ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ میانہ روی اختیار کرنے والا شخص کبھی بھی معاشی پریشانی کا شکار نہیں ہوتا۔

۲۔ اسراف و تبذیر یعنی میانہ روی سے انحراف، معاشرے میں ظلم واستحصال کا راستہ کھولنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہی رقوم اگر ملکی ترقیاتی کاموں میں صرف کی جائیں تو یقیناً معیشت میں بہتری کا سبب بنیں گی۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب میانہ روی کو اختیار کیا جائے۔

۳۔ معاشرہ میں میانہ روی کو نہ اپنانے والے لوگ رشک، حسد، کینہ، مخاصمت اور ہوس جیسی سماجی برائیوں کی آماج گاہ بن جاتے ہیں۔ یہ برائیاں اکثر دنگا فساد، قتل اور باہمی عناد کو ہوا دیتی ہیں اس طرح پورا معاشرہ تنزل کا شکار ہو جاتا ہے۔

۴۔ میانہ روی اختیار کرنے سے بچتوں (Savings) کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ یہی بچتیں جب سرمایہ کاری، پیداوار، تجارت وغیرہ میں استعمال ہوتی ہیں تو مجموعی طور پر ملکی معیشت مستحکم اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۱۰۸، رقم: ۱۰۱۱۸
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۵۲

۹۔ مال کی پس اندازی (Saving)

اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے ساتھ ساتھ اسلام مال کی پس اندازی (بچت کرنے) کی بھی ممانعت نہیں کرتا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی معاشی تعلیمات سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ فرد اپنے مال کا کچھ حصہ پس انداز کرے تاکہ ورثاء کے حق کا تحفظ، اہل و عیال کی مالی پریشانی کا تدارک اور مستقبل قریب وبعید کے ضمن میں مالی تحفظ ممکن ہو۔ اس موضوع کے تحت کتبِ احادیث میں ہمیں بہت سی احادیثِ رسول اللہ ﷺ ملتی ہیں۔ ذیل میں ہم چند ایک کا حوالہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ قال كعب ابن مالك رضی اللہ عنہ: قلت: يا رسول الله! إن من توبتي أن أنخلع من مالي صدقة إلى الله وإلى رسوله ﷺ. قال: أمسك عليك بعض مالك فهو خيرلك. قلت: فإني أمسك سهمي الذي بخيبر.[۱]

’’کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے توبہ کرتے وقت یہ بھی طے کیا کہ میں اپنے (سارے) مال سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے صدقہ کے طور پر دست بردار ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مال کا ایک حصہ اپنے پاس روک لو کیونکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔ میں نے کہا کہ مجھے خیبر میں جو حصہ ملا ہے اسے میں روک لیتا ہوں۔‘‘

۲۔ عن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ كان يبيع نخل بني النضير

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب إذا تصدق أو أوقف بعض ماله أو بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز، ۳: ۱۰۱۳، رقم: ۲۶۰۶

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الإيمان والنذور، باب فيمن نذر أن يتصدق بماله، ۳: ۲۴۰، رقم: ۳۳۱۷

ویحبس لأهله قوت سنتهم.[1]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو نضیر کے کھجور کے درختوں کے (پھل) کو فروخت کر کے اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کی خوراک محفوظ کر لیتے تھے۔''

۳۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أمسکوا علیکم أموالکم ولا تفسدوها فإنه من أعمر عمری فهي للذي أعمرها حیًا ومیتاً ولعقبه.[2]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مال اپنے پاس رکھو، ان کو برباد نہ کرو۔ آگاہ کہ جس نے ''تا مدت عمر'' عطا کیا وہ چیز اس شخص کی ملکیت ہوگئی جسے وہ اس طور پر دی گئی ہے زمین میں بھی اور مرنے پر بھی اور اس شخص کے بعد وہ اس کے ورثاء کا حق ہو جائے گی۔''

۴۔ عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ قال: جاء النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعودني وأنا بمکة وهو یکره أن یموت بالأرض التي هاجر منها. قال: یرحم الله ابن عفراء. قلت: یا رسول الله! أوصي بمالي کله؟

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب النفقات، باب حبس نفقة الرجل قوت سنة علی أهله وکیف نفقات العیال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۲
۲۔ بزار، المسند، ۱: ۳۷۸، رقم: ۲۵۵
۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۷: ۴۶۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الهبات، باب العمری، ۳: ۱۲۴۶، رقم: ۱۶۲۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۸۵، رقم: ۱۵۱۷۵

قال: لا. قلت: فالشطر؟ قال: لا، قلت: الثلث. قال: فالثلث والثلث كثير إنک أن تدع ورثتک أغنياء خير من أن تدعهم عالة يتكففون الناس في أيديهم.(۱)

’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ انہیں (سعد بن وقاص) کو یہ بات ناپسند تھی کہ وہ اس جگہ وفات پائیں جہاں سے انہوں نے ہجرت کی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ابن عفراء پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنے سارے مال کے سلسلہ میں وصیت کر جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر نصف مال کی حد تک؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر ایک تہائی مال کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (ہاں) ایک تہائی مال کی حد تک اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تو اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑ جائے یہ بات اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔‘‘

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت اور نکھر کر واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ صلاحیتوں، انسانی زندگی کی قریب ترین حقیقتوں اور عملی طور پر معاشی تعلیمات میں ایک فرد کو مال کی پس اندازی کی اجازت مرحمت فرمائی ہے لیکن مال کی یہ پس اندازی کسی بھی صورت میں تعیش، ارتکازِ دولت یا اکتنازِ مال کی مصداق نہ بنے بلکہ فرد کی دینی، اخلاقی اور دنیاوی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی آئینہ دار ہو۔

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب أن يترك ورثه أغنياء خير من أن يتكففوا الناس، ۳: ۱۰۰۶، رقم: ۲۵۹۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الوصية، باب الوصية بالثلث، ۳: ۱۲۵۳، رقم: ۱۶۲۸

حضور نبی اکرم ﷺ کے رفقاء صحابہ کرام ﷺ کا عمل بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔ صحابہ کرام ﷺ نے مال کو نیک کاموں پر خرچ کیا اور فاضل مال کو پس انداز بھی کیا۔ اس کی واضح مثال حضرت عثمان ﷺ ہیں، جنہیں اللہ نے بہت مال عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے مال میں سے بے شمار مواقع پر حاجت مندوں، غرباء، مساکین وغیرہ کی مدد کی۔ جہاد کے مواقع ہوں یا غیر معمولی حالات کا سامنا آپ ﷺ نے دل کھول کر مالی امداد فرمائی اور اس حد تک گئے کہ آج کے دور میں کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی وفات پر بہت سا مال چھوڑا تھا جو بغیر جمع کئے ممکن نہ ہوسکتا تھا۔

ابنِ کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) حضرت عثمان غنی ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان لعثمان عند خازنه يوم قتل، ثلاثون ألف ألف درهم وخمسمائة ألف درهم، ومائة ألف دينار، فانتهبت وذهبت، وترك ألف بعير بالربذة، وترك صدقات. [۱]

’’جس روز حضرت عثمان غنی ﷺ قتل ہوئے اس روز آپ ﷺ کے خزانچی کے پاس آپ ﷺ کے تیس کروڑ پانچ لاکھ درہم اور ایک لاکھ دینار تھے جو لوٹ لئے گئے اور ضائع ہو گئے نیز آپ ﷺ نے زبدہ میں ایک ہزار اونٹ چھوڑے اور صدقات بھی چھوڑے۔‘‘

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

ترك ألف بعير ومائة فرس وثلاثة آلاف شاة ترعى بالبقيع. [۲]

’’آپ نے ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے اور تین ہزار بقیع میں چرتی ہوئی بکریاں چھوڑیں۔‘‘

(۱) ابنِ کثیر، البداية والنهاية، ۵: ۲۸۲
(۲) ابن کثیر، البداية والنهاية، ۵: ۲۴۸

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ انہوں نے اپنی وفات پر بہت سا مال چھوڑا تھا۔

۱۰۔ مال ذریعہ ہے منزل نہیں

مال کو انسانی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس طرح یہ نیکی اور بھلائی کے وسائل میں سے ایک وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اگر یہی مال اسلامی معاشی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے حاصل کیا جائے تو شر بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نیکی اور بھلائی کے ساتھ حاصل کیا ہوا مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ دنیا میں عزت و احترام کا حصول ہوتا ہے، اخروی نجات کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور معاشی خوشحالی کے حصول کو ممکن بناتا ہے جبکہ اس کے برعکس غیر اسلامی طریقوں سے کمایا ہوا مال بدی، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، آخرت میں عذاب، دنیاوی ابتلاء، اختلاف، باہمی عناد اور جنگ و قتال کا باعث بنتا ہے۔

مذکورہ بالا حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ’’مال ایک ذریعہ ہے‘‘ اسے انسانی زندگی کا مقصد یا منزل نہیں سمجھنا چاہیے۔

۱۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے عیاں ہے کہ مال کو فضلِ الٰہی کہہ کر اس کی عزت افزائی کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ.(۱)

’’پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو۔‘‘

۲۔ اسی طرح فرمانِ رب العزت ہے:

(۱) الجمعة، ۶۲: ۱۰

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○[1]

’’اور تُو اس میں کشتیوں (اور جہازوں) کو دیکھتا ہے جو (پانی کو) پھاڑتے چلے جاتے ہیں تاکہ تم (بحری تجارت کے راستوں سے) اس کا فضل تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ○‘‘

۳۔ کچھ اور مقامات پر قرآن مجید نے مال سے مراد خیر و بھلائی، راستہ اور ذریعہ لیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○[2]

’’تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے○‘‘

۴۔ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ○[3]

’’اے رب! میں ہر اس بھلائی کا جو تو میری طرف اتارے محتاج ہوں○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نعم المال الصالح للمرء الصالح.[4]

’’کتنا ہی اچھا مال ہے جو کسی نیک انسان کے پاس ہو۔‘‘

---

(۱) فاطر، ۳۵: ۱۲

(۲) البقرة، ۲: ۱۸۰

(۳) القصص، ۲۸: ۲۴

(۴) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۹۷، رقم: ۱۷۷۶۳

۲۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۱۲، رقم: ۲۹۹

۱۱۔ ضیاعِ مال کی ممانعت

مال کی قدر و منزلت بتا کر اسلام نے مال کو ضائع کرنے کی ممانعت بھی کی ہے۔ اسلامی تصورِ ملکیتِ مال اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ فرد کو اپنی ملکیت کو ضائع کرنے کا اختیار نہ دیا جائے کیونکہ ملکیت تو مالکِ حقیقی اللہ رب العزت کی ہے اور وہ فرد کے پاس اس کا فضل، خیر اور امانت ہے۔ لہٰذا امین کو امانت کے ضائع کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں، انسان کو حقِ ملکیت دینے کا مدعا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو اپنے مالک (اللہ رب العزت) کے منشاء اور ہدایت کے مطابق خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ قرآن مجید نے اضاعتِ مال کو فساد سے تعبیر کیا ہے اور فساد اور فساد کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ○[1]

’’اور جب وہ (آپ سے) پھر جاتا ہے تو زمین میں (ہر ممکن) بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد انگیزی کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کر دے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا○‘‘

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق مال کو ضائع کرنا ممنوع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

۱۔ إن اللہ کرہ لکم ثلاثا: قیل وقال، وإضاعة المال، وکثرة السؤال.[2]

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۰۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الزکاة، باب قول اللہ تعالی لا یسألون الناس إلحافا، ۲: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیة، باب النهي عن کثرة المسائل الحاجة، ۳: ۱۳۴۱، رقم: ۵۹۳

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو نا پسند فرمایا ہے: قیل و قال کرنا، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر ہے:

كان ينهى عن قيل وقال، وكثرة السؤال وإضاعة المال ومنع وهات، وعقوق الأمهات ووأد البنات.(۱)

’’آپ ﷺ قیل و قال کرنے، بہت زیادہ سوالات کرنے، مال کو ضائع کرنے، خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے، ماں کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کو زندہ دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔‘‘

اس کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ) فرماتے ہیں:

إضاعة المال فهو صرفه في غير وجوهه الشرعية وتعريضه للتلف وسبب النهي إنه افساد والله لا يحب المفسدين ولأنه إذا أضاع ماله تعرض لما في أيدي الناس.(۲)

’’اضاعتِ مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنا اور تلف بے جا کے حوالے کرنا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ (معاشرہ میں) بگاڑ پیدا کرنے کے مترادف ہے اور اللہ فساد پیدا کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ جب کوئی شخص اپنا مال ضائع کر دے گا تو کسی دوسرے کے مال پر قبضہ

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب ما يكره من قيل وقال، ۵: ۲۳۷۵، رقم: ۶۱۰۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل الحاجة، ۳: ۱۳۴۱، رقم: ۵۹۳

(۲) نووي، شرح صحيح مسلم، ۱۲: ۱۰

کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔''

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید میں فساد کی جو ممانعت آئی ہے اس میں تلفِ مال کی ممانعت خود بخود شامل ہے کیونکہ تلفِ مال فساد پیدا کرنے کا موجب ہے۔

خلاصۂ بحث

متذکرہ بالا تمام تر بحث سے درج ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ انسان کو پاکیزہ اور حلال مال کمانے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ معاشی میدان میں اپنی تکمیلِ ضروریات میں شرمندہ نہ ہو۔

۲۔ کمائے ہوئے مال کو روزمرہ کی جائز ضروریات پر خرچ کرنا چاہیے۔

۳۔ بخل اور اسراف و تبذیر سے اجتناب معاشی اور معاشرتی کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرتا ہے۔

۴۔ مال کا کچھ حصہ بچا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

۵۔ مال کو ضائع کرنا معاشی بدحالی، معاشرتی شرمندگی، اور دیگر نفسیاتی پریشانیوں کا باعث ہوتا ہے۔

۶۔ مال زندگی کی آسائشیں اور ضرورتیں پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اسے زندگی کا نصب العین یا منزل قرار دیا جائے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت میں کامیابی کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہیے۔

بابِ چہارُم

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

(البقرة، ۲: ۲۸۴)

اِسلام کا تصوّرِ ملکیت

www.MinhajBooks.com

معاشی مسئلہ

انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں جہاں سیاسی، سماجی اور عمرانی عوامل کارفرما رہے ہیں جو مختلف ادوار اور مختلف مراحل میں اجتماعی اور انفرادی سطح پر معاشرے پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں وہاں معاشی عنصر بھی اپنے جلو میں ایک دنیا لئے تاریخ انسانی کے نئے ابواب رقم کرتا رہا ہے اور اکثر و بیشتر تاریخی ہی نہیں جغرافیائی تبدیلیوں کا بھی باعث بنتا رہا ہے۔ اس لئے کہ معاشی مسئلہ غار اور پتھر کے زمانے میں انسانی معاشرے کی داغ بیل پڑنے سے بھی پہلے موجود تھا اور آج بھی بے پناہ مادی ترقی اور سائنسی فتوحات کے پس منظر میں یہ مسئلہ قوموں کے عروج و زوال میں بنیادی مسئلے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ماہرین عمرانیات اور علمائے سیاسیات کے نزدیک اقتصادی بالا دستی ہی سیاسی بالا دستی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ بین الاقوامی روابط اور سفارتی تعلقات کے حوالے سے ہونے والی تبدیلیوں میں یہ سیاسی بالا دستی اہم کردار ادا کرتی ہے حتیٰ کہ فرد کی نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی پیچیدگیوں کو حل کرتے وقت بھی اقتصادی پہلو کو سرفہرست رکھا جاتا ہے۔

وسائلِ قدرت پر چند ہاتھوں کی اجارہ داری سے طبقاتی کشمکش کو ہوا ملی اور انسان کے عمرانی نظریات میں بغاوت کا عنصر نشوونما پا کر لاوے کی صورت پھیل کر منفی اور مثبت ہر قسم کی تبدیلیوں کا باعث بنتا رہا ہے۔ نو آبادیاتی نظام نے محکوم اور مغلوب قوموں کے گرد سیاسی غلامی کے ساتھ اقتصادی غلامی کا جال بھی بنا۔ چنانچہ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اکثر خطوں میں سیاسی غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے کے باوجود اقتصادی غلامی کی زنجیریں جوں کی توں موجود ہیں بلکہ ان کا حلقہ مزید تنگ ہو رہا ہے۔ اقتصادی غلامی کی ان زنجیروں کو تیسری دنیا کے غریب ممالک کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ اقتصادی خوشحالی کے نام پر کمیونزم

نے معاشروں کی از سر نو تشکیل کی اور انسان کو حیوان کے درجے پر لا کھڑا کیا لیکن وسائل قدرت پر مکمل ریاستی کنٹرول کے باوجود یہ مصنوعی معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہوتا چلا گیا اور انجام کار آہنی پردہ ریت کی دیوار ثابت ہوا۔

اسلام کی آفاقی تعلیمات میں معاشی مسئلہ کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اسلامی معاشرے میں معیشت کو ترجیحی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے۔ اسلام استحصال کی ہر شکل کا مخالف ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ فرد کا استحصال زیادہ تر اس کی معاشی ضروریات کی آڑ ہی میں ہوتا رہا ہے۔ سود کی لعنت نے فرد کے معاشی استحصال کو جنم دیا اور اس کی سوچ سے لے کر اس کی نسلوں کے مستقبل تک کو گروی رکھ دیا گیا۔ اعتدال اور توازن اسلامی معاشرے کا حسن ہے اور یہ حسن اسلام کے تصورِ معیشت میں بھی اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اسلام کا تصورِ معیشت انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ اسلام میں ہر سطح پر جوابدہی کے احساس کو زندہ و تابندہ رکھا گیا ہے اور امانت کے تصور کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے، انسان کو ان اشیا پر محض حقِ تصرف حاصل ہے اور وہ بھی محدود مدت کے لئے۔ اسلام کے نظامِ معیشت میں استحصال کی ہر شکل کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کئے گئے ہیں اور ایک فلاحی ریاست کے تمام بنیادی لوازمات کا اہتمام کیا گیا ہے۔

معاش کا مسئلہ ازل سے انسان کی قطعی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے جس کی تکمیل اسلام کے جامع نظام میں ایک فریضۂ شرعی کا حکم رکھتی ہے۔ بنابریں اسے انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ نہ صرف انسانی زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن مسئلہ معاش ہے بلکہ انسانی اخلاق کے باب میں نیکی اور بدی اور اجتماعی معاشرتی ماحول کے باب میں دوستی اور دشمنی، سب کچھ بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی سے متعلق ہے۔

الغرض انسانی معاشرہ اپنی تمام تر جہتوں اور سمتوں خواہ مذہبی و اخلاقی ہوں یا سیاسی و سماجی، تہذیبی و ثقافتی ہوں یا تعلیمی و قانونی، کسی نہ کسی طور مسئلہ معاش سے ہی عبارت ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی ہمہ گیر اہمیت اور ناگزیریت کا انکار عقلاً ممکن ہے نہ شرعاً۔

معاشی مسئلہ کی سہ جہتی اہمیت

اسلامی نقطۂ نظر سے معاشی مسئلہ سہ جہتی اہمیت (Three-Fold Significance) کا حامل ہے:

۱۔ وجوبی و بقائی اہمیت (Survivancial & Existential Significance)

۲۔ مذہبی و اخلاقی اہمیت (Religious & Moral Significance)

۳۔ سماجی و ماحولیاتی اہمیت (Social & Enviornmental Significance)

الغرض انسانی زندگی کی کوئی بھی جہت معاشی مسئلے سے لاتعلق اور بیگانہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی نظامِ حیات اس مسئلے کو حل کئے بغیر نہ تو مقبول ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی معاشرے میں متداول ہوسکتا ہے۔ بنا بریں قرآن وسنت میں جس قدر بھرپور توجہ اس مسئلے کے حل کی طرف مرتکز کی گئی ہے شائد ہی کوئی اور موضوع اتنی مرکزیت اور اہمیت حاصل کر سکا ہو مگر جب سے اشتراکی فلسفہ (Socialistic Philosophy) کے علمبرداروں نے معاشی مسئلہ کی اہمیت کو پورے شد و مد کے ساتھ ابھارا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے انقلاب کی بنیاد ابتدا تا انتہاء اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے تب سے شاید ردِعمل کے طور پر مسلم علماء و زعماء نے بالعموم اپنی علمی، فکری، عملی اور نظریاتی توجہ کا ارتکاز اس سمت سے ہٹا لیا یا کم کر لیا ہے جس کے نتیجے میں عصرِ رواں کی معاشی اور اقتصادی الجھنیں اور ناہمواریاں ہماری نسلِ نو کو پریشاں فکری میں مبتلا کر رہی ہیں۔ سوشلزم، کمیونزم اور دیگر مغربی باطل فلسفوں کے دلفریب نعرے اس نسل کو اپنی طرف ملتفت اور دینِ اسلام کی اعلیٰ

وارفع تعلیمات سے برگشتہ کر رہے ہیں۔ مگر عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر مذہبی ذہن ملت کی اس اہم ترین علمی، فکری اور عملی ضرورت کی طرف کاملاً متوجہ نہیں ہو رہا بلکہ نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ معاشی مسئلے پر زور دینے والا شخص مذہبی اجارہ داروں کی نظر میں اشتراکی فکر کا حامل یا دنیا دار گردانا جاتا ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنے والا دینِ اسلام کا داعی متصور ہوتا ہے۔

ہمیں یہ بات قطعی طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر معیشت اور اقتصاد کے مسئلے کو معاشرتی تناظر میں سمجھے اور اسے صحیح طور پر حل کئے بغیر معاشرے کی دینی، اخلاقی، ایمانی اور روحانی قدروں کو پامال ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اسلامی انقلاب کا خواب ٹھوس معاشی انقلاب کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ علمائے اسلام وقت کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس انتہائی ناگزیر ضرورت کی تکمیل کے لئے اپنی علمی اور عملی صلاحیتیں وقف کر دیں تاکہ موجودہ نسل کے فکری اضطراب اور اعتقادی اضمحلال کا تدارک کیا جا سکے اور معاشرے میں اسلامی انقلاب کے لئے صحیح سمت اور مبنی بر حقیقت ترجیحات کا تعین کیا جا سکے۔

تصورِ ملکیت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کا ہر نظامِ معیشت دراصل ''تصورِ ملکیت (Concept of Ownership)'' ہی پر قائم ہے۔ تصورِ ملکیت سے اس کے اساسی اصول اور تفصیلات و جزئیات متعین ہوتی ہیں اور اسی سے اس کے نفاذ کی اثر انگیزی اور نتیجہ خیزی متحقق ہوتی ہے۔ لہٰذا تصورِ ملکیت کسی بھی نظامِ معیشت کی تشکیل میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وقت اقوامِ عالم میں بالعموم سرمایہ دارانہ اور اشتراکی، دو نظام ہائے معیشت رائج اور مقبول ہیں، جنہیں "Capitalistic System of Economy and Socialistic System of Economy" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر ان

دونوں نظاموں میں کارفرما ''تصورِ ملکیت'' کی اصل ہیئت اور فلسفے پر غور کیا جائے تو وہ ایک ہی ہے۔ فرق صرف حدود کے تعین کا ہے۔ پہلے میں ملکیت کی انفرادی حدود میں وسعت کی ضمانت فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ دوسرے میں اجتماعی حدود کی۔ جہاں تک ملکیت کے معنی و مفہوم، اس سے جنم لینے والے حقوق و واجبات اور اس کے قانونی اثرات و لوازمات کا تعلق ہے، وہ یکساں ہیں۔ ان پہلوؤں پر عمیق غور و خوض کے بعد انسان بلا شک وشبہ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ ''تصورِ ملکیت'' اپنے مزاج اور خصائص کے اعتبار سے خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ رجحانات کا حامل ہے۔

اس تصورِ ملکیت سے جو بھی نظامِ معیشت تشکیل پائے گا اس کی خاصیت مطالبہ حقوق (Demand of Rights) ہو گی، جس کا لازمی نتیجہ انفرادی اور اجتماعی حقوق کے درمیان تصادم ہے۔ اس سے طبقاتی بغاوت اور منافرت میں بھی اضافہ ہوگا اور ملکی پیداوار بھی بہرصورت متاثر ہو گی۔ حقوق اور مفادات کے اس تصادم کو آج تک دونوں نظام ہائے معیشت میں سے کوئی بھی صحیح طور پر رفع نہیں کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود غرضانہ ''تصورِ ملکیت'' کے تحت فروغ پانے والے کسی بھی نظامِ معیشت میں اس رجحان کو ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اصل خرابی اسی تصور سے نمو پا رہی ہے جو پورے نظام کی بنیاد ہے۔ لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے اصلاح کی کوئی بھی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بحیثیت نظامِ معیشت دہندہ بنی نوع انسان کو اقتصاد و معیشت کے وہ عظیم انقلابی تصورات اور عملی اصول و ضوابط عطا فرمائے جس سے بہتر کوئی تصور، فکر یا فلسفہ معرض وجود میں نہیں آ سکتا۔ جس طرح آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات حتمی و ختمی مرتبت ہے اسی طرح آپ ﷺ کے عطا کردہ نظامِ فکر و عمل کا ہر پہلو بھی نقطہ تمامیت اور رتبہ خاتمیت کا حامل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے تعلیمات کو قرآن و سنت کے روپ میں جس نقطہ کمال تک پہنچا دیا ہے، انسانی فکر و دانش ارتقاء کی تمام منزلوں کو عبور کر کے بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اقبال اس منزلِ آخریں کی نشاندہی ان

الفاظ میں کرتا ہے:

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا ست
رحمة للعالمینی انتہا ست(۱)

ان اعلیٰ تصورات میں سے ایک بنیادی تصور، تصورِ ملکیت (Concept of Ownership) ہے۔ اس کا معنی و مفہوم ایک ایسے نئے انقلابی اسلوب میں متعین کیا گیا کہ جس سے نظامِ معیشت کے مجموعی مزاج اور خصائص میں بڑی بنیادی اور ٹھوس تبدیلی واقع ہوگئی۔ اس تصورِ ملکیت نے اسلام کے نظامِ معیشت کو ان تمام خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ رجحانات سے پاک کر دیا، جو اقتصادی اور معاشرتی زندگی کو تباہ کن نتائج سے دوچار کر رہے تھے۔

۱۔ ملکیت کی لغوی تحقیق

''ملکیت'' عربی اور اردو زبان میں عام مستعمل ہے اس کا مادہ ''ملک'' ہے جس کے معنی بیان کرتے ہوئے علی بن محمد جرجانی (۷۴۰۔۸۱۶ھ) اپنی کتاب ''التعریفات (ص: ۲۸۴)'' میں لکھتے ہیں:

الملک: حالة تعرض للشيء بسبب ما يحيط به. (۲)

''ایسی حالت جو کسی چیز کو ایسے سبب کے ذریعے پیش آئے جو اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

فقہاء کے نزدیک:

الملک: إتصال شرعي بين الإنسان وبين شيء يكون مطلقاً

---

(۱) اقبال، کلیات (جاوید نامہ): ۶۰۰

(۲) جرجاني، التعريفات: ۲۸۴

لتصرفه فيه وحاجزاً عن تصرف غيره فيه.(۱)

’’الملک ایک شرعی اتصال ہے جو کسی انسان اور ایسی چیز کے درمیان ہو جس میں وہ (انسان) تو تصرف کر سکے لیکن کوئی اور دوسرا اس میں تصرف نہ کر سکے۔‘‘

۲۔ مفہومِ ملکیت

کسی چیز کی ملکیت (Ownership) درحقیقت اس چیز میں کسی شخص کے درج ذیل دو حقوق پیدا ہونے سے عبارت ہوتی ہے:

۱۔ حقِ قبضہ (Right of Possession)

۲۔ حقِ تصرف (Right of Disposition)

اسی طرح جس شخص کو کسی چیز پر مذکورہ بالا حقوق حاصل ہو جائیں تو اسے چیز کا مالک (Owner) اور اس چیز کو اس کی ملکیت (Property) تصور کیا جائے گا۔ مذکورہ حقوق کے ساتھ ساتھ اس شخص کو اپنی ملک اشیاء کے استعمال، تحفظ، مزید نفع کمانے کے لئے کاروبار میں لگانے اور انتقالِ ملکیت کے حقوق بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ ملکیت کی تعریف

مذکورہ بالا بحث کے تحت ملکیت کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

’’جب کسی شخص کو کسی مال/ شے پر اپنا قبضہ قائم رکھنے اور حسبِ منشاء تصرف کرنے کا حق حاصل ہو جائے تو اس حق کو ’’ملکیت‘‘ کہتے ہیں۔‘‘

۴۔ مالک اور ملکیت میں افادیت کا پہلو

اللہ تعالیٰ نے زمین میں جس چیز کو بھی بقا عطا کی ہے اور اسے محلِ ملکیت (یعنی

(۱) جرجاني، التعريفات: ۲۸۴

ملکیت میں آنے کے قابل) بنایا ہے اس کے اندر بنی نوع انسان کے لئے یقیناً کوئی نہ کوئی نفع بخشی، سود مندی اور افادیت (Usufruct) مضمر ہوتی ہے۔

یہ تصور قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے ماخوذ ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

۲۔ وَ لَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُوْنَo(۲)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن وتصرف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہوo''

۳۔ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ط اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِo(۳)

''بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے حق ہے، اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے جو اندھا ہے، بات یہی ہے کہ نصیحت عقلمند ہی قبول کرتے ہیںo''

۴۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْئًا مَّرِیْئًاo(۴)

www.MinhajBooks.com

(۱) البقرة، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

(۳) الرعد، ۱۳: ۱۹

(۴) النساء، ۴: ۴

''اور عورتوں کو ان کے مَہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مَہر) میں سے کچھ تمہارے لئے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لئے) سازگار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۝''

۵۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝ (۱)

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو۝''

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵ میں ''اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا'' کے الفاظ قابلِ غور ہیں ان میں اموال کی ذاتی خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ یہ انسانی زندگی کے قیام اور اس کی بقا کا باعث ہوتے ہیں یعنی ان میں اس قدر اہم منفعت مضمر ہے کہ ان پر انسانی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ بنابریں باری تعالیٰ نے مال و دولت، ذرائع معیشت اور تمام دنیوی اسباب و وسائل کو ''متاع'' قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

۶۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۝ (۲)

''تم نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب تمہارے لئے زمین میں ہی معیّنہ مدت تک جائے قرار ہے اور نفع اٹھانا مقدّر کر دیا گیا ہے۝''

کائناتِ انسانی کے اموال میں مضمر عمومی نفع بخشی اور فیض رسانی کی وہ خوبی جس کی بناء پر اسے ''متاع'' قرار دیا گیا ہے۔ لفظ متاع کا معنی نفع اور فائدہ ہے اس لئے

(۱) النساء، ۴: ۵

(۲) البقرۃ، ۲: ۳۶

زندگی کے تمام اموال کو قرآنی اصطلاح میں ''مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا'' کہا جاتا ہے کیونکہ انسان ہر وقت ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

۷۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج وَاللهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (۱)

''لوگوں کے لئے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے ۝''

مال کی اسی ذاتی خصوصیت کے باعث اسے خیر اور فضل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

۸۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرًا. (۲)

''تم پر فرض ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے۔''

۹۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝ (۳)

''اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے ۝''

۱۰۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْکُرُوا اللهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۴)

(۱) آل عمران، ۳: ۱۴

(۲) البقرة، ۲: ۱۸۰

(۳) العادیات، ۱۰۰: ۸

(۴) الجمعة، ۶۲: ۱۰

’’پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤo‘‘

۵۔ بالقوہ افادیت اور بالفعل افادیت

ہر شے کے اندر مخفی (Potential) طور پر موجود نفع بخشی اور سود مندی کی یہ خصوصیت جو اللہ تعالیٰ نے اس کی غرض تخلیق کے طور پر پیدا کی ہے جب تک بالفعل ظاہر (Actualise) نہ ہو بنی نوع انسان اس سے کوئی عملی اور حقیقی فائدہ نہیں اٹھا سکتی اس لئے ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ہر مال (Property) کی بالقوہ افادیت (Potential Utility) کو بالفعل افادیت (Actual Utility) میں بدلنے کا اہتمام کیا جائے تا کہ اس کی یہ طبعی اور خلقی خصوصیت غیر سودمند، بے جان اور غیر متحرک بن کر نہ پڑی رہے بلکہ اس سے صحیح معنوں میں خلقِ خدا کو فائدہ پہنچے یعنی جس مقصد کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا وہ واقعتاً پورا ہو سکے۔

۶۔ علّتِ ملکیت

مذکورہ بالا مقصد ہی حقیقت میں مختلف اشیاء و اموال پر کسی کے حقِ ملکیت کے تسلیم کئے جانے کی اصل علت (Effective Cause) ہے۔ جب تک ان اشیاء و اموال پر کسی کو قبضہ وتصرف کا حق حاصل نہیں ہو جاتا اس پر کوئی محنت نہیں کی جاسکے گی اور جب تک اس پر کوئی منظّم محنت نہ ہو گی اس کی مخفی صلاحیت اجاگر نہیں ہو سکے گی۔ لہٰذا مختلف ذرائع سے کسی شے پر کسی شخص کا حق ملکیت اس لئے متحقق ہوتا ہے کہ اس طرح اس شے میں اس کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور اس دلچسپی کی بنا پر وہ اسے واقعتاً خلقِ خدا کے لئے نفع بخش اور سود مند بنانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ گویا ’’ملکیت‘‘ کسی شے کو انتفاع (فائدہ اٹھانے) کے قابل بنانے کا ذریعہ ہے، اصل مقصود ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے شریعت نے مردہ اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے والے کا حقِ ملکیت تسلیم کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا:

۱۔ من أحيا أرضاً ميتةً فهي له.[۱]

’’جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔‘‘

۲۔ من أعمر أرضاً ليست لأحد فهو أحق.[۲]

’’جس نے کسی زمین کو آباد کیا اور کسی کی نہ تھی تو آباد کرنے والا اس زمین کا مستحق ہوگا۔‘‘

اسی اصول کی بنا پر قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو مال و جائیداد کے صحیح انتظام و انصرام کا شعور نہ ہو، مال و جائیداد ان کے سپرد نہ کرو خواہ وہ فی الحقیقت انہی کے ملکیتی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل مقصود ملکیت یعنی قبضہ و تصرف نہیں بلکہ ان اموال کی افادیت اور نفع بخشی کی صحیح بحالی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

۱۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝[۳]

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب من أحيا أرضًا مواتاً، ۲: ۸۲۳، رقم: ۲۲۱۰

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۴۱، رقم: ۱۱۵۵۱

(۳) النساء، ۴: ۵

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو۔‘‘

مستزاد یہ کہ یتیم بچوں کے سرپرستوں کو بھی یہ ہدایت اسی اصول کے تحت دی گئی ہے کہ جب تک وہ بلوغ و رشد کی صحیح حد کو نہ پہنچیں ان کے ملکیتی اموال ان کے حوالے نہ کرو یعنی ان اموال پر ان کے قبضہ اور تصرف کا حق تب بحال ہوگا جب وہ ان کی اصل افادیت اور نفع بخشی کی صلاحیت کو کماحقہ اجاگر کرنے اور محفوظ رکھنے کے اہل ہو جائیں گے۔

۲۔ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ.(۱)

’’اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں ہوشیاری (اور حُسنِ تدبیر) دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔‘‘

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ افراد کو تفویضِ مال کی شرط مال و جائیداد کے مصالح و منافع کی حفاظت و رعایت کی اہلیت ہے تاکہ ملکیتِ مال کا اصل مقصد یعنی انتفاع کی خصوصیت متاثر نہ ہونے پائے۔

۷۔ حقِ اِنتفاع کی حقیقت (Usufructuary Right)

اشیاء و اموال سے نفع اٹھانے اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا حق (Usufructuary Right) اصلاً تمام بنی نوع انسان میں یکساں طور پر ودیعت کیا گیا ہے لیکن ترتیب میں مالک کا حق قابض و متصرف ہونے کے باعث دوسروں پر مقدم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی قرآن مجید نے مال و جائیداد کے مالکوں کو ان کے

(۱) النساء، ۴:۶

اپنے ملکیتی اموال میں سے دوسروں یعنی غیر مالکوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم دیا ہے تو مستحقین کے انتفاع کو بطورِ حق (Lawful Right) بیان کیا گیا ہے خواہ وہ اقرباء ہوں یا یتامیٰ و مساکین، سائلین ہوں یا محرومین۔ قرآن مجید مالداروں کے مال میں محرومین اور مستحقین کا حق تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انہیں ان کا حق ادا کرو۔ ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[۱]

’’اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا ○‘‘

۲۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[۲]

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے ○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا ○‘‘

۳۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○[۳]

’’پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں ○‘‘

۴۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○[۴]

’’اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۳) الروم، ۳۰: ۳۸

(۴) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo‘‘

مستزاد یہ ہے کہ لینے والے کا حق اتنا ہی ضروری اور پاکیزہ ہے جتنا کہ دینے والے کا اپنا حق یعنی مستحق افراد کا حق مالک کے حق سے کسی لحاظ سے کمتر یا گھٹیا نہیں ہے۔

۵۔ ارشاد فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ.[1]

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو۔‘‘

یہاں دیگر مستحقین کا حقِ انتفاع اصلاً مالک کے حقِ انتفاع کے برابر قرار دیا گیا ہے اور کسی کے حق کو دوسرے کے حق پر ماهیةً ترجیح نہیں دی گئی۔ ہاں ترتیب میں ترجیح ضرور موجود ہے۔

٦۔ حقِ انتفاع کے برابر ہونے کا ذکر ایک اور مقام پر یوں کیا گیا ہے:

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَo[2]

’’اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت

(۱) البقرة، ۲: ۲٦۷

(۲) حٰم السجدة، ۴۱: ۱۰

رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہےo“

امام زمخشری (م ۵۲۸ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قدر فيها الأقوات لأجل الطالبين لها المحتاجين إليها من المقتاتين.[1]

”اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں ضرورت مندوں، محتاجوں اور محنت کشوں کے لئے رزق مقدر کر دیا ہے۔“

سائلین کا یہی مفہوم تفسیر بحر المحیط، روح المعانی اور الجواھر میں بھی بیان ہوا ہے، الزجاج نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔

۸۔ حقِ تملّک کی حقیقت (Proprietary Right)

انسان فطری طور پر اپنی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے خصوصی طور پر زندگی کے بنیادی لوازمات خوراک، تن پوشی، رہائش و دیگر دنیاوی احتیاجات سے نمٹنے کے لئے اسے روپے پیسے کی ضرورت پڑتی ہے جس کے لئے وہ اکتسابِ مال کے لئے سعی وکوشش کرتا ہے۔ مال کمانا، اسے صرف کرنا اور جمع رکھنے کی خواہش بھی کرتا ہے۔ دینِ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں میں اپنی تعلیمات کی (حدود و قیود) کے ساتھ آزادی دی ہے۔ اس طرح فرد کی انفرادی اور اجتماعی ملکیت کے امور کو تسلیم کیا ہے۔

(۱) زمحشري، الكشاف، ۴: ۱۸۷

(ا) حقِ تملّک قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآنِ حکیم میں بیان کردہ حقِ ملکیت کی وضاحت درج ذیل آیات سے کی جاسکتی ہے:

۱۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِی جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○[۱]

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو○‘‘

۲۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ.[۲]

’’تم اپنے رب کے رزق سے کھایا کرو اور اس کا شکر بجالایا کرو۔‘‘

۳۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○[۳]

’’تم ہلکے اور گراں بار (ہر حال میں) نکل کھڑے ہو اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت) آشنا ہو○‘‘

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○[۴]

---

(۱) النساء، ۴:۵

(۲) سبا، ۳۴:۱۵

(۳) التوبۃ، ۹:۴۱

(۴) النور، ۲۴:۲۷

’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو یہ تمہارے لئے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور وفکر کروo‘‘

۵۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَo(۱)

’’پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائےo‘‘

۶۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَo(۲)

’’اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیںo‘‘

۷۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۳)

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo‘‘

۸۔ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ج وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۹

(۲) البقرة، ۲: ۱۵۵

(۳) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ وَمَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِمۡ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا ○ (۱)

’’اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں ہوشیاری (اور حُسنِ تدبیر) دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو، اور ان کے مال فضول خرچی اور جلد بازی میں (اس اندیشے سے) نہ کھا ڈالو کہ وہ بڑے ہو (کر واپس لے) جائیں گے، اور جو کوئی خوشحال ہو وہ (مالِ یتیم سے) بالکل بچا رہے اور جو (خود) نادار ہو اسے (صرف) مناسب حد تک کھانا چاہیے، اور جب تم ان کے مال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لیا کرو، اور حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے○‘‘

۹۔ وَ اٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اٰتٰکُمۡ. (۲)

’’اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔‘‘

۱۰۔ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِکُوۡنَ ○ (۳)

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی (مخلوق) میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا کیے تو وہ ان کے مالک ہیں○‘‘

۱۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ. (۴)

(۱) النساء، ۴: ۶
(۲) النور، ۲۴: ۳۳
(۳) یٰس، ۳۶: ۷۱
(۴) النساء، ۴: ۲۹

”اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔“

۱۲۔ لَتُبۡلَوُنَّ فِيۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَ اَنۡفُسِكُمۡ.[۱]

”(اے مسلمانو!) تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال اور تمہاری جانوں میں آزمایا جائے گا۔“

(۲) حقِ تملّک احادیث کی روشنی میں

قرآنی آیات کی طرح احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی حقِ ملکیت کا جو تصور ملتا ہے۔ وہ درج ذیل ارشاداتِ نبوی ﷺ سے واضح ہو جاتا ہے:

۱۔ من أحيا أرضاً ميتةً فهي له.[۲]

”جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔“

۲۔ من أعمر أرضاً ليست لأحد فهو أحق.[۳]

”جس نے کسی زمین کو آباد اور کسی کی نہ تھی تو آباد کرنے والا اس زمین کا مستحق ہو گا۔“

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۸۶

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب من أحيا أرضًا مواتًا، ۲: ۸۲۳، رقم: ۲۲۱۰

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۴۱، رقم: ۱۱۵۵۱

۳۔ من سبق إلى ماء لم يسبقه إليه مسلم فهو له.[1]

’’جو شخص ایسے چشمہ کی طرف سبقت کرے جس کی طرف کسی نے سبقت نہیں کی تو وہ اس کی ملکیت تصور ہو گا۔‘‘

(۳) حقِ تملّک: فقہ اِسلامی میں

تمام مذاہبِ فقہ میں فرد کے حقِ ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے اس ضمن میں باقاعدہ قوانین بنائے گئے ہیں مثلاً:

☆ قانونِ زکوٰۃ وعشر وصدقات

☆ قانونِ وراثت

☆ قانونِ نفقات/کفالت

☆ قانونِ وصیت

☆ قانونِ اجرت وغیرہ

مذکورہ بالا قواعد وقوانین کی تفصیل بمعہ امثلہ وعملی تنفیذ باب ’’اسلامی معاشی نظام کی تنفیذ‘‘ میں بیان کی گئی ہے۔

۹۔ اِنفرادی حقِ ملکیت

اسلام نے انفرادی ملکیت کا جو حق انسان کو دیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۰۷۱

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۱۳۹

أن الله تعالی لما خلق الخلق وجعل معایشهم في الأرض وأباح لهم الانتقاع بما فیها وقعت بینهم المشاحة والمشاجرة فکان حکم الله عند ذلک تحریم أن یزاحم الإنسان صاحبه فیما اختص به لسبق یده إلیه أو ید مورثه أو لوجه من الوجوه المعتبرة عندهم إلا بمبادلة أو تراض معتمد علی علم من غیر تدلیس ورکوب غرر، وأیضاً لما کان الناس مدنیین بالطبع لاتستقیم معایشهم إلا بتعاون بینهم نزل القضاء بإیجاب التعاون وأن لا یخلو أحد منهم مماله دخل في التمدن إلا عند حاجة لا یجد منها بداً.(۱)

’’اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر اپنی مخلوق پیدا کی تو ان کی معاش اور روزی بھی اسی (زمین پر) مقدر فرمائی اور زمین کی پیداوار سے ان کے لئے انتفاع مباح کیا اور چونکہ حرص کی وجہ سے ان کے درمیان نزاع پیدا ہوا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ کوئی شخص دوسرے کی مخصوص و مختص چیز میں کسی قسم کی مزاحمت و مداخلت نہ کرے اور یہ اس کی مخصوص چیز اس طرح ہو گی کہ اس چیز پر سب سے پہلے اس کا قبضہ ہوا ہے یا اس کے کسی مورث کا قبضہ تھا یا کسی ایسے طریقے سے اس چیز پر اس کا جو ان لوگوں میں مجموعی طور پر قبضہ اور ملکیت کے لئے معتبر مانا جاتا ہے اس قسم کے قبضہ اور ملکیت میں سوائے تبادلہ اور سوچ سمجھ کر بلا کسی فریب اور دھوکہ اور قابل اعتماد باہمی رضامندی کے کسی قسم کی مزاحمت کرنا حرام اور ناجائز ہے۔‘‘

۱۰۔ حقِ ملکیت کی صحت و مشروعیت کی شرائط

اشیاء و اموال پر افراد کا حقِ ملکیت قطعاً غیر مشروط نہیں ہے بلکہ وہ اس شرط کے

(۱) شاہ ولي الله، حجة الله البالغه، ۲: ۱۰۳

ساتھ تسلیم کیا گیا ہے کہ اموال کے مقررہ حقوق پورے کئے جائیں اور اموال کے مقررہ حقوق یہ ہیں کہ دوسروں کو بھی ان کے منافع میں شریک کیا جائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَفِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○[۱]

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا○‘‘

۲۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○[۲]

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا○‘‘

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن في المال حقاً سوی الزکاة.[۳]

’’بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔‘‘

۴۔ جب تک مملوکہ مال کا حق مکمل طور پر ادا نہ کیا جائے اس کی ملکیت نہ صرف ناجائز رہتی ہے بلکہ عذابِ آخرت کا باعث بن جاتی ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ما من صاحب کنز لا یؤدي حقه إلا جعله الله یوم القیامة یحمی

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الزکاة، باب ما جاء أن المال حقاً سوی الزکاة، ۳: ۴۸، رقم: ۶۶۰
۲۔ دارقطني، السنن، ۲: ۱۲۵
۳۔ سعید بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

عليها في نار جهنم فتكوى بها جبهته وجنبه وظهره.[۱]

’’جس شخص کے پاس کوئی مال ہے اور وہ اس مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا تو قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں اس مال کو گرم کر کے اس شخص کی پیشانی، پسلی، پیٹھ داغے جائیں گے۔‘‘

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام اموال کی ملکیت کو بلا شرط اور بلا قید تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کا جواز اور استحقاق صرف مقررہ حقوق کو پورا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اموال مملوکہ کا استعمال ان شرائط اور قیود کے تحت کرتے تھے:

كان ابن عمر رضی اللہ عنہما لا يأكل حتى يؤتي بمسكين يأكل معه.[۲]

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مند مل کر کھانا نہ کھاتا، آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

۶۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كنا نعد الماعون على عهد رسول الله ﷺ همام الدلو والقدر.[۳]

---

(۱) أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۴، رقم: ۱۶۵۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۶۲، رقم: ۷۵۵۳

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۳: ۱۹۰، رقم: ۳۳۰۲

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۴، رقم: ۱۶۵۷

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۶: ۵۲۲، رقم: ۱۱۷۰۱

’’ہم عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ڈول اور ہنڈیا تک کا عاریتاً ضرورت مندوں کو دینا ماعون تصور کرتے تھے۔‘‘

یعنی ایسی اشیائے استعمال سے بھی دوسروں کو فائدہ اٹھانے دینا شرعاً لازمی تصور کرتے تھے اور ان کا منع کرنا اس قرآنی حکم ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ [الماعون، ۱۰۷:۷] کے تحت ناجائز اور دین کی تکذیب تصور کرتے تھے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ملکیت کا جو تصور اپنے مبارک عمل سے واضح فرمایا اسے درج ذیل ارشادات سے سمجھا جا سکتا ہے:

۷۔ لو كان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين.[(۱)]

’’اگر میرے پاس احد (پہاڑ) کی مثل بھی سونا ہو تو مجھے تب خوشی ہوگی کہ اس پر تین راتیں نہ گزر جائیں (اور میں نے ان کو صدقہ نہ کیا ہو) اور میرے پاس سوائے اس شے کے جو میں نے دین ادا کرنے کے لئے رکھی ہے کچھ نہ ہو۔‘‘

۸۔ فلما فتح الله عليه الفتوح قال: أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفي من المؤمنين فترک دينًا فعليّ قضاؤه ومن ترک مالًا فلورثته.[(۲)]

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهبًا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدي الزكاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۶۰، رقم: ۶۳۵۰

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۳۵۴، رقم: ۱۰۷۳۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الكفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ←

’’جب اللہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں مؤمنین کا متولی ہوں جو ان میں سے فوت ہو جائے اور قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور اگر مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے ورثاء کا ہوگا۔‘‘

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کم کرنے کے لئے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کر لیا ہے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و عمل سے ان کا وجوب اور لزوم ہی ثابت ہوتا ہے۔

٩۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

إن الله فرض على الأغنياء المسلمين في أموالهم بقدر الذي ما يسع فقراءهم. (١)

’’اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مال سے اس قدر (صدقہ) فرض فرمایا ہے جس سے فقراء کا فقر ختم ہو جائے۔‘‘

...... ٢١٧٦

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ٣: ١٢٣٧، رقم: ١٦١٩

٣۔ ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على المأوردي، ٣: ٣٨٢، رقم: ١٠٧٠

٤۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٢: ٤٥٣، رقم: ٩٨٤٧

٥۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٧: ٥٣، رقم: ١٣١٢٣

(١) ١۔ سعيد بن منصور، السنن، ٥: ١٠٩، رقم: ٣٥٧٨

٢۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ٣: ٦٢، رقم: ٤٣٢٤

٣۔ ابن حزم، المحلى، ٦: ١٥٨

۱۱۔ زائد از ضرورت مال کی شرعی حیثیت

اموال پر قابض و متصرف ہونے کی بنا پر مالک کا حق دوسروں کے نفع اٹھانے کے حق پر مقدم ہوتا ہے یعنی پہلے مالک کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اموال سے اپنی ضروریات پوری کرے اور بعد میں زائد از ضرورت مال (Surplus Property) میں سے دوسروں کی ضروریات پوری کرنے پر خرچ کرے۔

یہ تصور ان احکام پر مبنی ہے:

۱۔ ارشادِ ربّانی ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌO(۱)

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےO‘‘

۲۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

يا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خير لک وأن تمسکه شر لک ولا تلام على کفاف وابدأ بمن تعول.(۲)

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

''اے اولادِ آدم! ضرورت سے زائد تمہارا مال کو خرچ کرنا بہتر ہے اور روک کر رکھنا تمہارے لئے شر ہے ہاں اس قدر بچانا قابل ملامت نہیں جو تیری ضرورت کے لئے کافی ہو اور انفاق کا آغاز ان سے کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔''

اس حدیث کی رُو سے صرف اسی قدر مال بچا کر رکھنے پر ملامت نہیں ہے جو ضروریات کے لئے کافی ہو اس سے زائد رکھنا بہتر ہے اور اس میں سے دوسروں پر خرچ کرنا لازم ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) بھی اس تصور کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

معنى الملك في حق الآدمي كونه أحق بالانتفاع من غيره.(۱)

''زمین پر آدمی کے حق ملکیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ انتفاع کا حق، قابض کو دوسرے کی نسبت زیادہ ہے۔''

۱۲۔ حقِ تملّک اور حقِ اِنتفاع میں فرق

اسلام کے تصورِ ملکیت میں اموال پر قبضہ و تصرف (Proprietary Rights) کسی حد تک تو خالصتاً انفرادی حق تسلیم کیا گیا ہے کوئی اس میں کسی کو شریک کرے یا نہ کرے شریعت اس سے تعرض نہیں کرتی۔ مگر انتفاع یعنی اموال کی نفع بخشی اور سود مندی (Usufructuary Rights) میں محض انفرادی اور نجی حق شریعت کی رو سے کلیتاً غیر اسلامی ہے۔ اس میں ہر شخص دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا پابند ہے۔ زکوۃ،

.... ۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۰

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

صدقات اور انفاق کے تمام احکام اس دعوے کے بیّن دلائل ہیں۔ اگر اشیاء اموال کی مادی حیثیت ’’Corpus‘‘ کی ملکیت یعنی ان کے قبضہ وتصرف کی مانند ان کے منافع اور فوائد (Usufructs) کی ملکیت کو بھی مطلقاً نجی اور انفرادی ضرورت تک مختص رکھنے کی اجازت ہوتی تو شریعت لوگوں کے کمائے ہوئے مال و دولت پر زکوٰۃ، صدقات اور انفاق کے وجوبی اور لازمی احکام صادر نہ کرتی۔ یہ احکام مال کے قبضہ وتصرف میں شرکت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ صرف ان کے حقِ انتفاع میں دوسروں کی شرکت کا مطالبہ کرتے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں مال (Property) کے قبضہ و تصرف کی حیثیت اس کے انتفاع کی حیثیت سے مختلف ہے۔ انتفاع میں اجتماعی حق جبکہ قبضہ اور تصرف میں بالعموم انفرادی حق زیادہ اہمیت کے ساتھ ملحوظ رکھا جاتا ہے اس تصور کی تائید ان قرآنی آیات سے ہوتی ہے:

۱۔ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ کَثُرَ ط نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ○ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ (۱)

’’مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے ○ اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو ○‘‘

۲۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰـکِنَّ

(۱) النساء، ۴: ۷، ۸

الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○[1]

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں○‘‘

۳۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○[2]

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے○‘‘

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

(۲) آل عمران، ۳: ۹۲

۴۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○(۱)

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے○‘‘

۵۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○(۲)

’’جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں○‘‘

۶۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ

(۱) التوبة، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

(۲) البقرة، ۲: ۳

وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَo(۱)

’’اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہےo یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہےo‘‘

۷۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِo وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِo كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ o وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِo وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّاo وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّاo وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّكْرٰیo(۲)

’’مگر انسان (ایسا ہے) کہ جب اس کا رب اسے (راحت و آسائش دے کر) آزماتا ہے اور اسے عزت سے نوازتا ہے اور اسے نعمتیں بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھ پر کرم فرمایاo لیکن جب وہ اسے (تکلیف و مصیبت دے کر) آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیاo یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے o اور نہ ہی تم مسکینوں

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۳، ۱۳۴

(۲) الفجر، ۸۹: ۱۵۔ ۲۳

(یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہوo اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)o اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہوo یقیناً جب زمین پاش پاش کرکے ریزہ ریزہ کر دی جائے گیo اور آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے قطار در قطار (اس کے حضور) حاضر ہوں گےo اور اس دن دوزخ پیش کی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آجائے گی مگر (اب) اسے نصیحت کہاں (فائدہ مند) ہو گیo‘‘

۸۔ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًاo اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌo اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِo وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِo وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِo فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَo(۱)

’’وہ (بڑے فخر سے) کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کیا ہےo کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے (یہ فضول خرچیاں کرتے ہوئے) کسی نے نہیں دیکھاo کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟o اور (اسے) ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)؟o اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دونمایاں راستے (بھی) دکھا دیئےo وہ تو (دینِ حق اور عملِ خیر کی) دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہواo‘‘

۹۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللهُ اَطْعَمَهٗٓ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo(۲)

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو

(۱) البلد، ۹۰: ۶۔ ۱۱

(۲) یٰسٓ، ۳۶: ۴۷

تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہو گئے ہو o‘‘

۱۰۔ اٰمِنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ o(۱)

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اجر ہے o‘‘

۱۱۔ وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا o نِالَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰـهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا o وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا o وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللهُ ط وَكَانَ اللهُ بِهِمْ عَلِيْمًا o(۲)

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی

(۱) الحدید، ۵۷:۷

(۲) النساء، ۴: ۳۶۔۳۹

ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہوo جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہےo اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخرت پر، اور شیطان جس کا بھی ساتھی ہو گیا تو وہ برا ساتھی ہےo اور ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا تھا اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے اور اللہ ان (کے حال) سے خوب واقف ہےo‘‘

۱۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَo(۱)

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور (کافروں کے لئے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہو گی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیںo‘‘

۱۳۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌo وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ط عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ط

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ○ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○(۱)

''(یہ) دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور (اپنے کفرو نفاق کی شدت کے باعث) اسی قابل ہیں کہ وہ ان حدود و احکام سے جاہل رہیں جو اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے○ اور ان دیہاتی گنواروں میں سے وہ شخص (بھی) ہے جو اس (مال) کو تاوان قرار دیتا ہے جسے وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اور تم پر زمانہ کی گردشوں (یعنی مصائب و آلام) کا انتظار کرتا رہتا ہے، (بلا و مصیبت کی) بری گردش انہی پر ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○ اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے○''

۱۴۔ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّ لَا کَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○(۲)

''اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہِ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لئے (یہ سب صرف وسفر)

(۱) التوبۃ، ۹: ۹۷۔ ۹۹

(۲) التوبۃ، ۹: ۱۲۱

لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھےo‘‘

۱۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌo(۱)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائقِ ہر حمد ہےo‘‘

۱۶۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ط ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ط فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo(۲)

’’اے ایمان والو! جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو اپنی رازدارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ وخیرات کرلیا کرو، یہ (عمل) تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پھر اگر (خیرات کے لئے) کچھ نہ پاؤ تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہےo‘‘

۱۷۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۳)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھاo‘‘

(۱) البقرة، ۲:۲۶۷

(۲) المجادلة، ۵۸: ۱۲

(۳) الذاريات، ۵۱: ۱۹

۱۸۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo[۱]

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo‘‘

۱۹۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo[۲]

’’پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا مندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیںo‘‘

۲۰۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًاo[۳]

’’اور قرابتداروں کو انکا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo‘‘

۱۳۔ اِرتکازِ دولت کی حیثیت

اگر کوئی شخص اپنے مملوکہ اموال کی آمدنی اور منافع اس خیال سے کہ یہ میری ذاتی ملکیت ہے، صرف اپنی ضروریات اور آسائشوں تک رکھے اور ان سے دوسروں کو فائدہ نہ اٹھانے دے یعنی دوسرے مستحقین کے شرعاً تسلیم شدہ حقوق پورے نہ کرے تو اسے دولت کا جمع کرنا یا ارتکاز و اکتناز کہا جائے گا اور یہ امر شریعت میں حرام بلکہ باعثِ عذابِ جہنم ہے باوجود اس کے کہ اس نے وہ ساری دولت اپنے جائز ملکیتی ذرائع سے کمائی ہے۔

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۲) الروم، ۳۰: ۳۸

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

۱۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍO يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَO(۱)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںO جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھےO‘‘

۲۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ.(۲)

’’تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔‘‘

۳۔ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ O يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ O كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ O وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ O نَارُ اللهِ الْمُوْقَدَةُO الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِO اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌO فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍO(۳)

---

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۴، ۳۵

(۲) الحشر، ۵۹: ۷

(۳) الھمزۃ، ۱۰۴: ۲۔ ۹

”(خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہےo وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گیo ہرگز نہیں! وہ ضرور **حطمہ** (یعنی چورا چورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گاo اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ **حطمہ** (چورا چورا کر دینے والی آگ) کیا ہے؟o (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہےo جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گیo بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گیo (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہے گی)o“

بنا بریں احتکار کو باعثِ عذاب اور محتکر کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔

الغرض اسلام کا تصورِ ملکیت اپنے معنی و مفہوم اور روح کے اعتبار سے انفرادی حیثیت کا حامل ہے اور اسلام کے معاشی نظام کی وہ خشتِ اوّل ہے جو اس کی پوری ساخت و تشکیل کو دنیا کے دیگر معاشی نظامات سے ممتاز و ممیّز کرتی ہے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت فراہم کرنے میں تیقن کے ساتھ سرفہرست ہے۔

تحدیدِ ملکیت (Limitation of Ownership)

اسلام انفرادی اور اجتماعی حقِ ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس میں نظم و ضبط اور اس کے غلط استعمال کو روکنے کی غرض سے چند حدود و قیود لگاتا ہے۔ خصوصی طور پر اگر کسی معاشرے میں معاشی ناہمواری اس حد تک بڑھ جائے کہ غرباء کا استحصال شروع ہو جائے اور اس حد تک پہنچ جائے کہ ان کے لیے زندگی گزارنا دوبھر ہو جائے تو اسلامک اسٹیٹ کے صاحبانِ اقتدار کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے تحدیدِ ملکیت کریں۔ اسلامی حکومت اصحابِ ثروت کو اس امر پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ شریعت کے عائد کردہ حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں مقررہ حد سے زیادہ ملکیت نہ رکھیں اور اسلامی

اسٹیٹ کا فرض ہے کہ وہ حالات و واقعات کے تناظر میں ملکیت کی حدود مقرر کرے اس حقیقت کا ثبوت ہمیں درج ذیل احادیثِ نبوی ﷺ سے بھی ملتا ہے:

۱۔ من کان معه فضل ظهر فليعد به علی من لا ظهر له و من کان له فضل زاد فليعد به علی من لا زاد له قال: فذکر أصناف المال ما ذکر حتی رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل.(۱)

''جس کے پاس زائد سواری ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد ساز و سامان ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سامان نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مختلف اصناف کا ذکر فرمایا حتی کہ ہم سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد اشیاء اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں۔''

۲۔ دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تمنعوا فضل الماء لتمنعوا به فضل الکلأ.(۲)

''فالتو پانی مت روکو اس غرض سے کہ فالتو گھاس روک سکو۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۱

۴۔ بيهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المساقاة، باب من قال إن صاحب الماء أحق بالماء، ۲: ۸۳۰، رقم: ۲۲۲۶

www.MinhajBooks.com

عصرِ حاضر میں کئی مواقع پر بعض حضرات نے حکومت کی طرف سے تحدیدِ ملکیت کرنے پر اعتراضات کیے ہیں۔ اپنے مؤقف کے حق میں انہوں نے کچھ آیاتِ قرآنی کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ ان آیات کے باب میں ان کی پیش کردہ توضیح اور اِستدلال مغالطوں پر مبنی ہے۔ ذیل میں ہم ان کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والوں کے دلائل اور اُن کا ردّ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام میں تحدیدِ ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔ اپنے اس مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں ذیل میں ہم ان کا تجزیہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کا ردّ بھی پیش کرتے ہیں تاکہ حقیقت آشکار ہو سکے اور عامۃ الناس کو مسئلے کا صحیح ادراک حاصل ہو:

دلیل نمبر ۱

ملکیت کی عدم تحدید کے ضمن میں وہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○(۱)

’’اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے

......۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم فضل بيع الماء الذي يكون بالفلاة ويحتاج إليه لراعي الكلأ وتحريم منع بذله وتحريم بيع ضراب الفحل، ۳: ۱۱۹۸، رقم: ۱۵۶۶

(۱) ہود، ۱۱: ۶

امانت رکھے جانے کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے، ہر بات کتابِ روشن (لوحِ محفوظ) میں (درج) ہے٥‘‘

اِستدلال

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والے افراد اس آیت کریمہ سے اپنے مؤقف کا اِستدلال اس طرح کرتے ہیں: ’’چونکہ رزق کی فراہمی کا کام مذکورہ آیتِ کریمہ کے مطابق اللہ رب العزت نے اپنے ذمۂ کرم پر لے رکھا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ ہر ایک کو رزق فراہم کرے اور اسی کی مرضی اور اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اور جتنا چاہے رزق عطا فرمائے۔ اس کے دیئے ہوئے مال اور رزق میں کسی قسم کی حد قائم کرنا اس کے منشاء اور فیصلہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس آیت مبارکہ کی رو سے تحدیدِ ملکیت جائز نہیں ہے۔‘‘

اِستدلال کا ردّ / جواب

مذکورہ بالا نظریہ کے حامل افراد کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ اس آیتِ کریمہ میں بنیادی بات جو بیان ہوئی ہے وہ ہے ’’وعدۂ رزق‘‘۔ بنیادی کام رزق فراہم کرنا ہے۔ گویا یہ آیت وعدۂ رزق کی فراہمی پر دلالت کرتی ہے۔ تحدیدِ ملکیت اس آیت کا موضوع ہی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا بنیادی موضوع رزق کی فراہمی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کی تکمیل اسلامی حکومت (Islamic State) سے کراتا ہے۔ گویا یہ ذمہ داری نیابتاً اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر کسی کو رزق فراہم کرنے کے مواقع پیدا کرے۔ اس منشائے الٰہی کی تکمیل کے لئے State اپنا کردار ادا کرنے کی مجاز ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب رزق فراہم کرنے اور اس منشائے ایزدی کی تکمیل State کی ذمہ داری ہے تو اس تکمیل کے لئے حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اگر ملک میں دولت کی تقسیم غیر متوازن ہو اور بعض کو بنیادی رزق بھی نہ مل رہا ہو اور بعض بے حد و

حساب دولت کے مالک ہوں اور غیر متوازن تقسیم (Unbalanced Division) جب اس حد تک بڑھ گئی ہو کہ تقسیم کرنا اور تحدید کرنا ناگزیر اور لازمی ہو گیا ہو تو اس تقسیم میں توازن (Balance) پیدا کرنا حکومت (State) کی ذمہ داری اور اختیار ہے۔ اس ذمہ داری کے تحت اسے تحدید کرنے کا حق بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر۲

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًاo وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ط وَ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًاo(۱)

''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے (دنیا و آخرت کے رنج و غم سے) نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتا ہےo اور اسے ایسی جگہ سے رِزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ (اللہ) اسے کافی ہے، بیشک اللہ اپنا کام پورا کر لینے والا ہے، بیشک اللہ نے ہر شے کے لئے اندازہ مقرر فرما رکھا ہےo''

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مطلقہ عورت کو ایسے ایسے طریقوں اور ایسی ایسی جگہوں سے رزق فراہم کرے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتی۔ گمان نہ کر سکنے کا مطلب ہے کہ اتنا زیادہ رزق عطا فرما دے گا کہ جس کا حساب ہی نہ کیا جا سکے۔ یوں بے گماں دینے کا مطلب ہے بے حساب دینا۔ اس لئے عورت کو چاہیے کہ وہ اللہ پر توکل کرے جو اللہ مطلقہ عورت کو بے حساب رزق دے سکتا ہے وہ تمام بنی نوع انسان کو

(۱) الطلاق، ۶۵: ۲، ۳

بھی بے حدو حساب رزق فراہم کر سکتا ہے لہٰذا جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے۔ اور اس کے دیئے ہوئے پر حد قائم کرنا اس کے منشاء اور توکل کے خلاف ہے۔

ردّ / جواب

اس آیت میں عورت کو طلاق کے وقت توکل علیٰ اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ سے یہ اِستدلال کرنا کہ وہ کسی کو دے یا نہ دے یا کسی کو زیادہ دے اور کسی کو کم دے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہی نہیں ہے اس لیے اس آیت سے یہ مفہوم نکالنا سراسر غلط ہے۔

مذکورہ آیت سے اِستدلال کرتے وقت بے گمان کو بے حساب کے معنی میں لینا بھی درست نہیں ہے۔ یہاں لفظ بے گمان کے ذریعے توکل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے نہ کہ بے حساب کا معنی و مفہوم مراد لیا گیا ہے۔ اس طرح محولہ بالا آیت کا مفہوم تحدیدِ ملکیت کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، چنانچہ اس کو تحدیدِ ملکیت کی بحث میں بطور دلیل پیش کرنا ہی غلط ہے۔

دلیل نمبر ۳

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ.(۱)

’’اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔‘‘

اِستدلال

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے۔ رزق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ حکومت کا یا کسی دوسرے

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۱

شخص کا کام نہیں ہے۔ چونکہ کام اللہ کا ہے اس لیے اس کی مرضی کسی کو کم دے یا زیادہ دے۔ اس میں شکوہ کرنے، تحدید کرنے یا اس میں مداخلت کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔

ردّ / جواب

اللہ رب العزت نے جب فرما دیا کہ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا منشاء یہ ہے کہ سب کو رزق ملے۔ اب اللہ کے اس منشاء ہی کی تکمیل کے لئے نظامِ ریاست میں حکومت (State) قائم ہوتی ہے۔ نظام الحقوق اور نظام الفرائض پر عمل درآمد کرانا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کا حکم آ گیا کہ نماز پڑھو۔ اب نظامِ صلوٰۃ کی تنفیذ اسلامی State کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اللہ کا حکم آ گیا کہ سود حرام ہے۔ اب نظامِ معیشت میں سود کی حرمت کو Establish کرنا State کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اللہ کا حکم آ گیا کہ زنا حرام ہے اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کی سزا (حد) بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سزا کون دے گا؟ اللہ نے خود آ کر تو یہ حد نہیں لگانی لہٰذا یہ حد لگانے کا فریضہ State سرانجام دے گی۔ ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی رضا مندی حکم بن جاتی ہے اور اس حکم کی تنفیذ State کی ذمہ داری (Responsibility) قرار پاتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد آیت کا صحیح مفہوم کچھ یوں ہو گا کہ ہم نے یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ تم سب کو اور ان کو بھی رزق بہم پہنچایا جائے۔ ہمارے اس منشاء کی تکمیل حکومت کی ذمہ داری ہے۔ گویا سب کو رزق فراہم کرنا حکومت (State) ہی کی ذمہ داری ہے۔ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس منشائے ایزدی کی تکمیل میں جو رکاوٹیں، مشکلات اور مسائل درپیش ہوں ان کو بھی دور کرے۔ ان رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ دولت کی غیر متوازن تقسیم بھی ہے۔ اس تقسیم کو توازن میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحدیدِ ملکیت کے جائز اختیار کو استعمال کرے تاکہ ہر کسی کو رزق فراہم کرنے میں آسانی ہو۔

دلیل نمبر ۴

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○[۱]

’’اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے○‘‘

اِستدلال

زمین پر بسنے والے تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ اس حالت میں بھی رزق فراہم کر دیتا ہے جب ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو بھی رزق فراہم کرتا ہے۔ اس آیت میں جانوروں کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ جس طرح جانوروں کو رزق دیتا ہے اسی طرح انسانوں کو بھی رزق دینے والا وہی ہے۔ اس کی مرضی ہے کہ جس کو چاہے زیادہ دے اور جس کو چاہے کم دے۔ اس طرح حدِ ملکیت کی نفی ہو جاتی ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اللہ ان کو جس طرح رزق دیتا ہے تمہیں بھی فراہم کرے گا۔ اس مثال پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ رزق دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کے لیے رزق کے یکساں مواقع پیدا فرمائے ہیں مثلاً ایک جنگل میں اگر دو شیر ہیں تو دونوں کے لیے شکار بھی وہیں پیدا فرما دیا۔ اسی طرح تمام انسانوں کے لیے بھی رزق کے مواقع یکسر پیدا فرمائے لیکن

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۶۰

اگر کسی وجہ سے ان مواقع میں توازن برقرار نہ رہا ہو تو ان میں توازن پیدا کرنے کے لئے State اپنا کردار ادا کرے گی جو تحدیدِ ملکیت کے قانون کے نفاذِ عمل کا آئینہ دار ہے۔

دلیل نمبر ۵

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِكَ الْخَیْرُ ط اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍo(۱)

’’(اے حبیب! یوں) عرض کیجئے: اے اﷲ! سلطنت کے مالک! تُو جسے چاہے سلطنت عطا فرما دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تُو جسے چاہے عزت عطا فرما دے اور جسے چاہے ذلّت دے، ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بیشک تُو ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہےo تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تُو ہی زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے (اپنی نوازشات سے) بہرہ اندوز کرتا ہےo‘‘

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اللہ ہی مالک الملک ہے۔ تمام کائنات اور اس کے تمام ذرائع اور وسائل کا وہی مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے یہ وسائل اور ذرائع عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ یہ بھی

(۱) آل عمران، ۳: ۲۶، ۲۷

واضح کر دیا کہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور یہ رزق بھی بے حساب ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے رزق دینے میں حساب و کتاب کی تحدید نہیں رکھی تو تحدید کرنا اللہ کی مرضی اور قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ آیت میں **بغیر حساب** کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی بھی حساب و کتاب نہ رکھے۔ اس طرح حکومت (State) کو بھی کوئی اختیار نہیں کہ وہ حساب و کتاب رکھنے کا انتظام وانصرام کرے۔ **بغیر حساب** کا یہ مفہوم بالکل غلط ہے۔ اگر یہ مفہوم لیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ محاصل (Taxes) کے سارے محکمے ختم کرنے ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ Revenue کے سارے معاملات بھی ختم کرنے ہوں گے جو نظامِ حکومت چلانے میں اختلال کا باعث ہوں گے۔

اگر **بغیر حساب** کا مطلب یہ لیا جائے کہ حساب کتاب ہی نہ رکھا جائے تو خود احکامِ خداوندی میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات میں حساب کتاب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نیکیوں اور برائیوں کا Record کراماً کاتبین کے ذریعے اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سوء میں جزا و سزا کا حساب کتاب اور سب سے بڑھ کر یوم الحساب کا انعقاد حساب کتاب رکھنے کے دلائل ہیں۔ عملی زندگی میں مثال کے طور پر زکوٰۃ کو لیں تو اس کا تو سارے کا سارا نظام حساب و کتاب پر ہی مشتمل ہے اس طرح ان دلائل سے مختلف شعبوں میں تحدیدِ ملکیت کا عنصر ثابت ہوتا ہے۔

"**بغیر حساب**" کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ بندے کے ساتھ کوئی حساب و کتاب کا معاملہ نہیں کرتا یا اللہ بندے کو جتنا بھی عطا کر دے اس کا بدلہ نہیں مانگتا۔ اللہ پر دینے میں کوئی قدغن نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ State کو کوئی حق ہی نہیں ہے کہ وہ حساب و کتاب رکھے۔ جب دینے میں کوئی قدغن نہیں تو مفہوم مخالف کی

رو سے لینے پر بھی کوئی قدغن نہیں۔ اس میں Nationalization کا تصور ہے۔ یعنی جو دے سکتا ہے وہ Nationalize بھی کر سکتا ہے۔ آیتِ کریمہ کا پہلا حصہ بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے:

تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ.(۱)

’’اللہ جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے واپس لے بھی لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے عزت چھین کر ذلت دے دیتا ہے۔‘‘

آیت کے اس حصہ کی رو سے جب دے سکتا ہے تو واپس بھی لے سکتا ہے۔ یہی حال رزق اور مال و دولت کا ہے کہ جب اللہ دے سکتا ہے تو واپس بھی لے سکتا ہے۔ واپسی کا کام اللہ کے منشاء کی تکمیل کے لیے State کر سکتی ہے، اسی طرح اگر اللہ پر دینے میں کوئی قدغن نہیں تو اسلامی اسٹیٹ پر اس کے منشاء کی تکمیل کے لئے واپس لینے میں بھی کوئی قدغن نہیں ہے۔ State کا مال واپس لینا تحدید ہی کی صورت ہے۔ اس طرح تحدیدِ ملکیت جائز ہے۔

دلیل نمبر ۶

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰـکُمْ ط اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○(۲)

(۱) آل عمران، ۳: ۲۶

(۲) الانعام، ۶: ۱۶۵

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔ بیشک آپ کا رب (عذاب کے حقداروں کو) جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ (مغفرت کے امیدواروں کو) بڑا بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے‘‘o

اِستدلال

اس آیت میں ﴿وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا) کے الفاظ اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ نے ہی مال و اختیارات میں بعض کو بعض پر فضیلت دی یعنی بعض کو بے حد و حساب رزق دیا اور بعض کو کم۔ یہ تقسیم مِنْ جَانِبِ اللہ ہے۔ اس لئے اس تقسیم میں ردو بدل کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس تقسیم میں اگر اس نے کسی کو بے حد و حساب رزق عطا کر دیا ہے تو State کو اس پر حد عائد کرنے کا کیا حق ہے؟ لہٰذا تحدیدِ ملکیت کی نفی اس آیتِ کریمہ سے بھی ثابت ہے۔

ردّ / جواب

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والے کا سوال ہے کہ State کو کیا حق ہے کہ اللہ کی تقسیم اور عطا میں حد مقرر کرے؟ اس کا جواب بھی اسی آیت میں موجود ہے۔ آیت میں موجود الفاظ ﴿لِيَبۡلُوَكُمۡ فِيۡمَآ اٰتٰكُمۡ﴾ (تاکہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے) نے State کو یہ حق دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مال دے کر آزماتا ہے کہ جو مال اس بندے کو دیا گیا ہے کیا وہ اس مال کے حقوق ادا کر رہا ہے؟ اگر مال کے حقوق کی ادائیگی میں پورا نہیں اتر رہا تو State کی ذمہ داری ہے کہ وہ مال واپس لے لے۔ جب دولت کا صحیح مقصد پورا نہ ہو رہا ہو یا دوسروں کی حق تلفی ہو رہی ہو اور ضرر کا احتمال واضح ہو رہا ہو تو State کو اختیار ہے کہ وہ Limitations عائد کرے کیونکہ یہ حکم لِيَبۡلُوَكُمۡ فِيۡمَآ

الحُکم کے تحت آتا ہے اور یہی تحدیدِ ملکیت ہے۔

دلیل نمبر ۷

وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ.(۱)

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے۔‘‘

اِستدلال

اس آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے واضح اعلان فرما دیا ہے کہ اس نے بعض لوگوں کو رزق کے معاملہ میں بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ اس فضیلت و افضلیت میں کسی دوسرے شخص یا State کو کوئی اختیار حاصل نہیں کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے مال میں تحدید کا قانون لاگو کرے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کو تحدیدِ ملکیت کے منافی نظریہ میں بطور دلیل پیش کرنے والے اس آیت کو مکمل طور پر بیان نہیں کرتے۔ ذیل میں مکمل آیت اور اس کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کا صحیح ادراک ممکن ہو سکے۔

وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ج فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ط اَفَبِنِعْمَةِ اللهِ یَجْحَدُوْنَ o(۲)

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی

(۱) النحل، ۱۶: ۷۱

(۲) النحل، ۱۶: ۷۱

ہے (تا کہ وہ تمہیں حکمِ انفاق کے ذریعے آزمائے)، مگر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی دولت (کے کچھ حصہ کو بھی) اپنے زیرِ دست لوگوں پر نہیں لوٹاتے (یعنی خرچ نہیں کرتے) حالانکہ وہ سب اس میں (بنیادی ضروریات کی حد تک) برابر ہیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیںo‘‘

اس آیت میں واضح حکم ہے کہ صاحبِ ثروت لوگ اپنی دولت کو اپنے زیرِ دست اور خستہ حال لوگوں کو لوٹا دیں۔ آیت میں ’’رآدّی (لوٹانا)‘‘ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مال غریبوں کا حق ہے اگر یہ لوگ ان کا حق اپنی مرضی سے نہیں دیتے تو حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان لوگوں سے غریبوں کا حق وصول کر کے ان تک پہنچائے۔

دلیل نمبر ۸

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَo [۱]

’’کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمتِ (خاصہ یعنی نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ دنیاوی زندگی میں (تو) ان کو روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (اور عالم کا انتظام قائم رہے) اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس (دنیوی مال ومتاع) سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیںo‘‘

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے دنیاوی زندگی کا ایک ایسا نظام بیان

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲

فرمایا ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ وہ نظام کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کو گزارنے کے لئے روزی اور رزق کو تمام لوگوں میں تقسیم فرمایا۔ اس تقسیم میں اس نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ پھر فضیلت عطا کرنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ امیر لوگ غریب لوگوں سے خدمت اور کام لیں اور اس طرح یہ نظامِ زندگی چلتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظامِ زندگی کو قائم رکھنے کے لیے روزی کی تقسیم کو بھی اس طرح رکھا کہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ اب اگر تحدید کے نام پر اس تقسیم میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی تو نظامِ زندگی درہم برہم ہو جائے گا۔ لٰہذا نظامِ زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے تحدیدِ ملکیت ناجائز اور غلط ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا نظریہ کے حامل افراد کو اس آیت کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔ اس آیت کے جس لفظ کے ترجمہ میں مغالطہ ہوا ہے وہ ہے ''سُخرِیًّا'' جس کا ترجمہ انہوں نے ''خدمت لینا'' کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس لفظ کے حقیقی معانی و مفاہیم بیان کرتے ہیں تاکہ اس کا مطلب واضح ہو جائے۔

لفظ سخریا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے ''س۔ خ۔ ر'' سے مشتق ہے۔ ثلاثی مجرد میں باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے سَخِرَ یَسْخَرُ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ اپنی اسی بناوٹ سے سورۃ التوبہ کی درج ذیل آیت میں استعمال ہوا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْھُمْ ط سَخِرَ اللهُ مِنْھُمْ وَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌo(۱)

''جو لوگ برضا و رغبت خیرات دینے والے مؤمنوں پر (ان کے) صدقات

(۱) التوبۃ، ۹: ۷۹

میں (ریاکاری و مجبوری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان (نادار مسلمانوں) پر بھی (عیب لگاتے ہیں) جو اپنی محنت و مشقت کے سوا (کچھ زیادہ مقدور) نہیں پاتے سو یہ (ان کے جذبۂ انفاق کا بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اﷲ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہےo‘‘

اس آیت میں ’یَسْخَرُوْنَ‘ مضارع اور ’’سَخِرَ‘‘ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ سخر کا لغوی معنی ہے ’’مذاق اڑانا، تمسخر کرنا‘‘ وغیرہ۔ لسان العرب میں ہے:

وبه سَخِرًا وسَخَرًا وَمَسْخَرًا و سُخْرًا وسُخْرَةً و سِخْرِيًّا و سُخْرِيًّا وسُخْرِيَّةً: هزىء به.(۱)

’’سخر سے ہی سَخِرًا، سَخَرًا، مَسْخَرًا، سُخْرًا، سُخْرَةً، سِخْرِيًّا، سُخْرِيًّا اور سُخْرِيَّةً (یہ تمام الفاظ) بنتے ہیں (جن کا مطلب ہے) مذاق اڑانا۔‘‘

اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں بھی استعمال ہوا ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَo(۲)

’’اور بیشک آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کے ساتھ مذاق کیا جاتا رہا۔ پھر ان میں سے مسخرہ پن کرنے والوں کو (حق کے) اسی (عذاب) نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھےo‘‘

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا

(۱) ابن منظور إفريقي، لسان العرب، ۴: ۳۵۲

(۲) الانعام، ۶: ۱۰

يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط سَخِرَ اللهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌO(۱)

’’جو لوگ برضا ورغبت خیرات دینے والے مومنوں پر (ان کے) صدقات میں (ریاکاری ومجبوری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان (نادار مسلمانوں) پر بھی (عیب لگاتے ہیں) جو اپنی محنت ومشقت کے سوا (کچھ زیادہ مقدور) نہیں پاتے سو یہ (ان کے جذبۂ انفاق کا بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہےo‘‘

وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ قف وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ط قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَO(۲)

’’اور نوح (علیہ السلام) کشتی بناتے رہے اور جب بھی ان کی قوم کے سردار اُن کے پاس سے گزرتے ان کا مذاق اڑاتے۔ نوح (علیہ السلام) (انہیں جواباً) کہتے: اگر (آج) تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو (کل) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے تم تمسخر کر رہے ہوo‘‘

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا.(۳)

’’کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب آراستہ کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں۔‘‘

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَO(۴)

(۱) التوبۃ، ۹: ۷۹

(۲) ھود، ۱۱: ۳۸

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۱۲

(۴) الصافات، ۳۷: ۱۲

''بلکہ آپ تعجب فرماتے ہیں اور وہ مذاق اڑاتے ہیںo''

اب ذیل میں سِخْرِيًّا کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جس کا مطلب بھی تمسخر کرنا اور مذاق اڑانا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَo[1]

''تو تم ان کا تمسخر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھی بھلا دی اور تم (صرف) ان کی تضحیک ہی کرتے رہتے تھےo''

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُo[2]

''کیا ہم ان کا (ناحق) مذاق اڑاتے تھے یا ہماری آنکھیں انہیں (پہچاننے) سے چوک گئی تھیں (یہ عمّار، خباب، صُہیب، بلال اور سلمان ﷺ جیسے فقراء اور درویش تھے)o''

مذکورہ بالا بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے زیرِ بحث آیت کا اگر درج ذیل ترجمہ کیا جائے تو آیت کا مفہوم واضح ہونے کے ساتھ ساتھ زیرِ بحث مسئلہ کا صحیح حل پیش کرنے میں مدد ملے گی۔ صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

''کیا آپ کے رب کی رحمتِ (نبوّت) کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس (دولت)

---

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۱۱۰

(۲) ص، ۳۸: ۶۳

سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے (اور گھمنڈ کرتے) ہیں٥‘‘

اس ترجمہ کی رو سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زیرِ بحث آیت کا مضمون تحدیدِ ملکیت کے منافی ہرگز نہیں ہے بلکہ تحدیدِ ملکیت کے حق میں ہے۔ اگر امراء اپنی دولت کے بل بوتے پر غریبوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو اسلامی حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ان سے ایسی دولت چھین لے جس پر وہ گھمنڈ کرتے ہیں اور غرباء کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایک اور تحقیق کے مطابق:

سخر سے باب تفعیل ’’سَخَّرَ یُسَخِّرُ تَسْخِیْرًا‘‘ بنتا ہے جس کا مطلب ہے ’’مسخر کرنا، تسخیر کرنا۔‘‘ یہ لفظ اپنے معنی میں جبری محنت کو سموئے ہوئے ہے۔ لسان العرب میں ہے:

سَخَّرَ یُسَخِّرُ سُخْرِیًّا: کلّفه ما لا یرید و قهره. (۱)

’’سَخَّرَ یُسَخِّرُ سُخْرِیًّا کا مطلب ہے کسی کو ایسے کام کا مکلّف بنانا اور ایسے کام پر مجبور کرنا جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔‘‘

اس معنی کی رو سے زیرِ بحث آیت کا مضمون کچھ یوں بنے گا کہ کیا ہم نے یہ تقسیم اس لیے کی کہ امیر غریبوں سے زبردستی خدمت (Forced Services) اور جبری محنت (Compelled Labour) لیں؟ ہمارا مقصد اس تقسیم کا یہ ہرگز نہیں تھا کہ غریبوں کا استحصال کیا جائے اور غربت کی وجہ سے ان کا مذاق اڑایا جائے۔ اگر امیر طبقہ غریبوں کا استحصال کرنے لگے تو حکومت کو چاہیے کہ وہ دخل اندازی کر کے غریب عوام کو ان کے حقوق دلوائے اور ان کی عزتِ نفس بحال کرے۔ اس مقصد کے لیے اس کو اگر تحدیدِ ملکیت کا اصول نافذ کرنا پڑے تو یہ قرینِ مصلحت اور جائز تصور ہو گا۔

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۳۵۳

بحث کا ماحاصل

مذکورہ بالا تمام آیات سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی معاشی تعلیمات کے تحت ’’تحدیدِ ملکیت‘‘ جائز ہے اور اسلامی مملکت حالات و واقعات کے تناظر میں تحدیدِ ملکیت کرنے کی مجاز ہے۔

www.MinhajBooks.com

باب پنجم

وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَ○

(البقرۃ، ۲:۳)

اِنفاق فی المال

معنی اور حقیقتِ موضوع

عربی زبان کے لفظ ''انفاق'' کا لغوی معنی ''مال خرچ کرنا'' ہے۔ اصطلاحی معنی میں اسے ''انفاق فی سبیل اللہ'' اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کہا جاتا ہے۔ اسلام نے مال خرچ کرنے کے ضمن میں واضح ہدایات دی ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے ''انفاق فی المال'' درحقیقت اپنے سرمایہ و دولت کو دوسروں پر اس طرح خرچ کرنا ہے کہ ان کا معاشی تعطل ختم ہو جائے، ان کی تخلیقی جدوجہد بحال ہو جائے اور وہ معاشرہ میں مطلوبہ کردار بحسن وخوبی سرانجام دے سکیں۔ چونکہ انفاق فی المال فعلِ احسان کی عملی شکل اور اساس ہے اس لئے یہ اپنی خیر خواہی، احتیاجات، عیش کوشی، ناموری یا تحسینات پر خرچ کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ خرچ دوسروں کی زندگیوں سے معاشی بدحالی دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال ''مواخاتِ مدینہ'' ہے جو دینی و دنیاوی بھلائی، ترقی و خوشحالی، رواداری، معاشرتی و معاشی ترقی کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ فعلِ احسان کا عملی اظہار بھی ہے۔

قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا حکم

ہر انسان اپنے مقصدِ حیات میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے اسلام نے جہاں بے شمار ہدایات دی ہیں وہاں ''انفاق فی المال'' کا راستہ بھی دکھایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے غرباء و مساکین، نادار، محتاج، معذور، ضرورت مند اور معاشی بدحالی کا شکار افراد پر خرچ کیا جائے چنانچہ زکوٰۃ اور دیگر واجبہ صدقات ادا کرنے کے بعد بھی معاشرے کے اصحابِ ثروت پر معیشت کے کمزور لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں جہاں پیدائشِ دولت (Production of wealth) یعنی اکتسابِ مال کی ترغیب دلائی

ہے وہاں تقسیمِ دولت (Distribution of wealth) کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا صراحت کے ساتھ حکم موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰـكُمْ.(۱)

''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔''

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.(۲)

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔''

۳۔ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَo(۳)

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہےo''

۴۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌo(۴)

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۳) البقرة، ۲: ۱۹۵

(۴) آل عمران، ۳: ۹۲

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے o‘‘

۵۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ.(۱)

’’اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال خرچ کرے۔‘‘

۶۔ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّھَا قُرْبَۃٌ لَّھُمْ ط سَیُدْخِلُھُمُ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۲)

’’اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے o‘‘

انفاق فی المال کی اہمیت سمجھنے اور اس عملِ صالح کو اپنانے والوں کے شرف و منزلت اور ان کے لئے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ فرماتا ہے:

۷۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ط وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ.(۳)

’’جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

(۲) التوبۃ، ۹: ۹۹

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۶۱

کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے۔‘‘

۸۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ.(۱)

’’کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے۔‘‘

۹۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝(۲)

’’جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ۝‘‘

۱۰۔ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝(۳)

’’الٓمّٓ ۝ (یہ) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، (یہ) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے ۝ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں ۝‘‘

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۴

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۷۴

(۳) البقرۃ، ۲: ۱۔۳

۱۱۔ اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ○ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ○(۱)

’’(یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں○ (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں (بڑے) درجات ہیں اور مغفرت اور بلند درجہ رزق ہے○‘‘

۱۲۔ اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَ مِمَّا رَزَقْنٰـھُمْ یُنْفِقُوْنَ○(۲)

’’(یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو مصیبتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں○‘‘

۱۳۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا○(۳)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○‘‘

۱۴۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ ج وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ط وَیُکَفِّرُ عَنْکُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِکُمْ.(۴)

(۱) الانفال، ۸: ۳، ۴
(۲) الحج، ۲۲: ۳۵
(۳) الدھر، ۷۶: ۸
(۴) البقرۃ، ۲: ۲۷۱

’’اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے (اس سے دوسروں کو ترغیب ہو گی) اور اگر تم انہیں مخفی رکھو اور وہ محتاجوں کو پہنچا دو تو یہ تمہارے لئے (اور) بہتر ہے اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمہارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا۔‘‘

انفاق فی المال کی ترغیب دلاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

١۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال رسول الله ﷺ: إن الله قال لي: أنفق أنفق عليک وقال رسول الله ﷺ: يمين الله ملآى لا يغيضها سحاء الليل والنهار. أ رأيتم ما أنفق مذ خلق السماء والأرض فإنه لم يغض ما في يمينه.(١)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کر تجھ پر (بھی) خرچ کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور دن رات کی فیاضی سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے کتنی فیاضی کی ہے لیکن اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔‘‘

٢۔ من أنفق زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة: يا عبد الله! هذا خير.(٢)

---

(١) ١۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب الحث على النفقة وتبشير المنفق بالخلف، ٢: ٦٩١، رقم: ٩٩٣

٢۔ بخاري، الصحيح، کتاب التفسير، باب قوله وكان عرشه على الماء، ٤: ١٧٢٤، رقم: ٤٤٠٧

(٢) ١۔ بخاري، الصحيح، کتاب الصوم، باب الريان للصائمين، ٢: ٦٧١، رقم: ١٧٩٨

’’جس نے اللہ کے راستے میں دو مرتبہ خرچ کیا، اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ اچھا ہے۔‘‘

۳۔ لا حسد إلا علی اثنتین رجل آتاه الله الکتاب وقام به آناء اللیل ورجل أعطاه الله مالًا فهو یتصدق به آناء اللیل والنهار.(۱)

’’دو آدمیوں کے سوا اور کسی پر حسد کرنا جائز نہیں ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم دیا اور وہ اس کے ساتھ راتوں کو قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں سے رات دن راہِ خدا میں خرچ کرتا رہتا ہے۔‘‘

۴۔ أفضل دینار ینفقه الرجل، دینار ینفقه علی عیاله ودینار ینفقه الرجل علی دابته في سبیل الله ودینار ینفقه علی أصحابه في سبیل الله.(۲)

’’افضل دینار جو آدمی خرچ کرتا ہے وہ ہے جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے

...... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب من جمع الصدقة وأعمال البر، ۲: ۷۱۱، رقم: ۱۰۲۷

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، ۴: ۱۹۱۹، رقم: ۴۷۳۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۳۳، رقم: ۶۱۶۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة علی العیال والمملوك وإثم من ضیعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۴

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الجهاد، باب فضل النفقة في سبیل الله تعالی، ۲: ۹۲۲، رقم: ۲۷۶۰

۳۔ بخاري، الأدب المفرد: ۲۶۲، رقم: ۷۴۸

اور وہ دینار جس کو اللہ کے راستے میں اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو اپنے ساتھیوں پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔‘‘

۵۔ **كفى بالمرء إثمًا أن يحبس عمن يملك قوته.** (۱)

’’کسی آدمی کے گناہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے اس کا خرچ روک لے۔‘‘

۶۔ **على كل مسلم صدقة. فقالوا: يا نبي الله! فمن لم يجد قال: يعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق.** (۲)

’’ہر مسلمان کے لئے صدقہ کرنا لازمی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کرکے خود کو بھی نفع پہنچانا چاہیے اور صدقہ بھی کرنا چاہیے۔‘‘

۷۔ **لا توعي فيوعي الله عليك ارضخي ما استطعت.** (۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك وإثم من ضيعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ۲: ۶۹۲، رقم: ۹۹۶

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۵۲، رقم: ۴۲۴۱

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب على كل مسلم صدقة فمن لم يجد فليعمل بالمعروف، ۲: ۵۲۴، رقم: ۱۳۷۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ۲: ۶۹۹، رقم: ۱۰۰۸

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب صدقة العبد، ۵: ۶۴، رقم: ۲۵۳۸

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الصدقة فيما استطاع، ۲: ←

’’تو (اپنا مال) مٹکے میں بندھ کرکے نہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لگا بندھا دینے لگے اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں میں (مال) تقسیم کرو۔‘‘

٨۔ إن رسول الله ﷺ قال وهو على المنبر وذكر الصدقة والتعفف والمسألة: اليد العليا خير من اليد السفلى فاليد العليا هي المنفقة والسفلى هي السائلة.(١)

’’حضور نبی اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور صدقہ، ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا جبکہ نچلا ہاتھ مانگنے والا ہے۔‘‘

٩ ۔ ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان فيقول أحدهما اللّٰهم أعط منفقًا خلفًا ويقول الآخر: اللّٰهم أعط ممسكًا تلفًا.(٢)

’’کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نہ اترتے

.... ۵۲۰، رقم: ۱۳٦۷

٢۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٦: ١٣٩، رقم: ٢٥١٢٥

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ٢: ٥١٩، رقم: ١٣٦٢

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ٢: ٧١٧، رقم: ١٠٣٣

(٢) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى، ٢: ٥٢٢، رقم: ١٣٧٤

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب في المنفق والممسك، ٢: ٧٠٠، رقم: ١٠١٠

٣۔ نسائي، السنن الكبرى، ٥: ٣٧٥، رقم: ٩١٧٨

ہوں۔ ایک فرشتہ تو یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ دیجئے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! ممسک اور بخیل کو نقصان سے دوچار کیجئے۔‘‘

۱۰۔ سبعة يظلهم الله تعالى في ظله يوم لا ظل إلا ظله إمام عدل، وشاب نشأ في عبادة الله، ورجل قلبه معلق في المساجد، ورجلان تحابا في الله، اجتمعا عليه وتفرقا عليه، ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال. فقال: إني أخاف الله، ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه، ورجل ذكر الله خاليًا ففاضت عيناه.(۱)

’’سات طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف پرور حاکم۔ (۲) وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھلا پھولا۔ (۳) وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے۔ (۴) دو ایسے شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھتے ہیں اور ان کے اجتماع اور جدائی کی بنیاد بھی یہی ہو۔ (۵) ایک ایسا شخص جسے خوبصورت اور باوجاہت عورت نے (برے ارادے سے) بلایا لیکن اس کا جواب یہ تھا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۶) وہ انسان جو صدقہ کرتا ہے اور اسے اس درجہ چھپاتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ داہنے ہاتھ نے کیا

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الصدقة باليمين، ۲: ۵۱۷، رقم: ۱۳۵۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، ۲: ۷۱۵، رقم: ۱۰۳۱

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء في الحب في الله، ۴: ۵۹۸، رقم: ۲۳۹۱

خرچ کیا۔ (۷) اور وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھیں بھر آتی ہیں۔‘‘

۱۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا عائشة! لا تردي المسكين ولو بشق تمرة يا عائشة! أحبي المساكين وقربيهم فإن الله يقربک يوم القيامة.(۱)

’’اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔‘‘

حکمِ انفاق کی دو سطحیں

انفاقِ فی المال کا عمل دو سطحوں پر ہوسکتا ہے۔ انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر۔

انفرادی سطح سے مراد یہ ہے کہ افراد اپنے طور پر اپنے احباب و متعلقین اور حلقۂ اثر میں ’’انفاق‘‘ کو بطور دائمی عمل جاری کریں۔ جو شخص معاشی ابتلاء کا شکار ہو، ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو یا اس کی زندگی ایسے تعطل کی نذر ہوگئی ہو کہ اس کی تخلیقی جدوجہد بحال نہ رہی ہو، ایسے ضرورت مند افراد کی مالی اعانت اس انداز سے کرنا کہ ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو، ان کی ضروریات بھی پوری ہوں اور وہ ہر وقت دوسروں کی اعانت کے منتظر نہ رہیں۔ بلکہ ان کی زندگی سے معاشی تعطل ختم کرکے ان کا اپنا تخلیقی عمل

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵

بحال کر دیا جائے تا کہ وہ معاشرے میں صحیح مقام اور مطلوبہ کردار سر انجام دینے کی پوزیشن میں ہوسکیں۔ اس سلسلے میں اپنے اعزہ و اقارب اور پڑوسیوں کے علاوہ سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جنھوں نے خود کو خدمتِ اسلام میں اس طرح وقف کر دیا ہو کہ ان کے پاس روزگارِ حیات کی خاطر فرصت ہی باقی نہ رہی ہو۔ ان سے مراد وہ مجاہدینِ اسلام ہیں جن کی زندگیاں اسلام کی علمی و فکری اور عملی و انقلابی خدمت میں محصور ہو چکی ہیں۔ یہی لوگ راہِ حق کے اسیر ہیں۔ اگر یہ لوگ معاشی تعطّل کا شکار ہو گئے تو دینِ حق اور ملتِ اسلامیہ کے احیاء کی خاطر ہونے والی انقلابی کاوشیں معطل ہو جائیں گی۔ اِس امر کا حکم قرآن مجید میں اِس طرح آیا ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰـكِنَّ اللهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝(۱)

’’ان کو ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو سو وہ تمہارے اپنے فائدے میں ہے اور اللہ کی رضاجوئی کے سوا تمہارا خرچ کرنا مناسب ہی نہیں ہے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو گے (اس کا اجر) تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اورتم پر کوئی ظلم نہیں کیا

(۱) البقرۃ،۲: ۲۷۲۔ ۲۷۴

جائے گاo (خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں (کسبِ معاش سے) روک دیئے گئے ہیں وہ (امورِ دین میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے ان کے (زُھداً) طمع سے باز رہنے کے باعث نادان (جو ان کے حال سے بے خبر ہے) انہیں مالدار سمجھے ہوئے ہے، تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے بالکل سوال ہی نہیں کرتے کہ کہیں (مخلوق کے سامنے) گڑگڑانا نہ پڑے، اور تم جو مال بھی خرچ کرو تو بیشک اللہ اسے خوب جانتا ہےo جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گےo‘‘

مذکورہ بالا تین آیات سے قبل بھی اِنفاق ہی کا حکم اور اس کے مسائل کا بیان چلا آ رہا ہے اور یہ تینوں آیات بھی اُسی حکم سے متعلق ہیں۔ لیکن غور فرمائیں کہ ان تین آیات میں بھی صراحت کے ساتھ پانچ مرتبہ اِنفاق کا حکم وارد ہوا ہے۔ اس سے اس کی اہمیت و افادیت از خود اُجاگر ہو جاتی ہے۔ لیکن حکمِ انفاق کے حوالے سے جو نمایاں اشارات ان آیات سے ماخوذ ہیں، وہ قابلِ غور ہیں۔ اُنہیں یہاں اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:

۱۔ رہنمائی کے باوجود منزلِ مقصود ہر ایک کو نہیں ملتی۔ (ہدایت کا آخری مرحلہ منزلِ مقصود کو پالینا ہے)۔

۲۔ منزلِ مقصود اور نصب العین کے حصول میں کامیابی اللہ تعالیٰ صرف اُنہی لوگوں کو عطا کرتا ہے جو انفاق فی المال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

۳۔ انفاق کا فائدہ صاحبِ انفاق کو بھی پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُسے اپنی منزل نصیب ہو جاتی ہے، جس کے لئے دوسرے عمر بھر ترستے رہتے ہیں۔

۴۔ انفاق کا عمل صرف رضائے اِلٰہی کے حصول کو نصب العین بنانے کی خاطر ہونا چاہیے۔ دیگر ممنوع اور مذموم مقاصد کے لئے نہیں۔

۵۔ عملِ انفاق اپنے اندر نتیجہ خیزی کی ضمانت رکھتا ہے۔ اس کا مطلوبہ صلہ میسر آ کر ہی رہتا ہے۔ صاحبِ انفاق کو نتائج و ثمرات کے لحاظ سے کبھی بھی مایوسی نہیں ہوسکتی۔

۶۔ انفاق کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو دینِ حق کی راہ میں خود کو وقف و محصور کر چکے ہیں۔

۷۔ ہمہ وقت راہِ حق میں اس طرح کوشاں رہنا کہ کاروبارِ حیات کی فرصت بھی باقی نہ رہے، اصحابِ صفّہ کی استثنائی سنت ہے اور شرعاً ممنوع نہیں۔

۸۔ اہلِ حق کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کریں۔ ان کی شخصیت بے نیازی اور استغناءِ نفس کی پیکرِ اتم ہونی چاہیے۔

۹۔ اہلِ ثروت کو مجاہدینِ حق کی مالی ضروریات کی کفالت اس انداز سے کرنی چاہیے کہ ان کی زندگی میں معاشی تعطل بھی پیدا نہ ہونے پائے اور ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو۔

۱۰۔ ذاتِ حق ہر حال میں کیئے گئے اِنفاق سے باخبر ہوتی ہے اور اس پر اجر عطا کرتی ہے۔

۱۱۔ اہلِ انفاق دُنیا و آخرت میں ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے نصب العین کو پالیں گے۔

یہ عملِ انفاق کی انفرادی صورت تھی کہ مالدار افراد مستحق افراد کی کفالت کے لئے ذاتی سطح پر انفاق کریں۔ اس طرح ہر صاحبِ مال پر اس کی انفرادی حیثیت میں ''اِنفاق'' لازم ہے اور یہی ''فعلِ احسان'' ہے جس کے ذریعے وہ بارگہِ ایزدی میں نعمتِ رضا کا مستحق

قرار پاتا ہے۔

اجتماعی سطح سے مراد یہ ہے کہ اجتماعی طور پر عملِ انفاق کو ایک ایسے نظام کے طور پر رائج کیا جائے کہ معاشرے کا کوئی فرد حاجتمندی میں مبتلا نہ رہے اور معاشرہ معاشی استحکام سے ہمکنار ہو کر قومی نصب العین کے حصول کے لئے اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کر سکے۔ معاشرے کے حاجتمند افراد کی حاجتمندی کو دور کرنے کا اسلامی معاشی نظام میں بہترین حل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو صاحبِ ثروت لوگوں سے ان کا وہ حق دلایا جائے جو شریعت نے ان کے لئے مختص کیا ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[۱]

”اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے ○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا ○“

دوسری جگہ فرمایا:

وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[۲]

”اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا ○“

اجتماعی سطح پر انفاق کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حاکمِ وقت امراء سے یا بیت المال سے مال لے کر فقراء میں تقسیم کرا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غرباء و مساکین کے حصے مقرر کئے ہوتے تھے جو وہ بیت المال سے ادا کرتے تھے۔ ابو عبید بن سلام (م ۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

فکان عمر یعطي کل إنسان منهم کل سنة ثلاثة آلاف.[۳]

---

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۲) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۳) أبو عبید، کتاب الأموال: ۳۱۰، رقم: ۶۰۹

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال (غرباء) میں سے ہر ایک کو تین ہزار (کی مقرر کردہ) رقم دیتے تھے۔“

یہ اجتماعی سطح پر انفاق کی بہترین مثال ہے کسی بھی ملک کو معاشی لحاظ سے اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لئے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر انفاق کے عمل کو جاری رکھنا ہوگا۔

اِنفاقِ واجبہ اور اِنفاقِ نافلہ میں اِمتیاز

فقہی اصطلاح کے مطابق وجوب اور عدم وجوب کے لحاظ سے اِنفاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اِنفاقِ واجبہ

اِس میں زکوٰۃ، عُشر، صدقۂ فطر اور دیگر ایسے صدقات شامل ہیں جن کا ادا کرنا صاحبِ نصاب پر بہر حال فرض یا واجب ہوتا ہے۔

(۲) اِنفاقِ نافلہ

اِس میں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ اِنفاق کی تمام صورتیں شامل ہیں لیکن ان میں سے کئی صورتوں کو مصلحتاً، ضرورتاً یا استحساناً واجب بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اِس امر کی تفصیلات ہم نے ”اسلام کے تصورِ ملکیت“ میں بیان کی ہیں۔ یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ فعلِ احسان کا اطلاق ”انفاقِ واجبہ“ پر نہیں بلکہ ”انفاقِ نافلہ“ پر ہوگا۔ ”انفاقِ واجبہ“ کی تمام صورتیں قرآن کے ”حکمِ عدل“ کے تحت شمار کی جائیں گی کیونکہ عدل کا مفہوم یہی ہے کہ جس قدر دینا لازم ہو اُسی قدر دیا جائے اور شرعاً واجب حصے کے علاوہ دینا ”احسان“ ہے۔ لہٰذا ہماری بحث ”انفاقِ نافلہ“ کے حکم سے ہے، اِنفاقِ واجبہ سے نہیں۔

نصابِ انفاق اور حدِ انفاق کا مسئلہ

یہاں اِس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ’’نصابِ اِنفاق‘‘ اور ’’حدِ اِنفاق‘‘ کا مسئلہ صرف ’’انفاقِ واجبہ‘‘ سے متعلق ہے مثلاً مقررہ نصاب سے کم جائیداد رکھنے والے پر ’’زکوٰۃ‘‘ فرض نہیں ہوتی اور دیگر صدقاتِ واجبہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ حدِ انفاق بھی صدقاتِ واجبہ کے لئے مقرر ہے مثلاً زکوٰۃ میں اڑھائی فیصد، ’’عشر‘‘ میں دس یا بیس فیصد وغیرہ۔ جہاں تک اِنفاقِ نافلہ کا تعلق ہے اِس کا اُصول نصاب اور حد کے تعینات سے ماوراء ہے۔ اِس کے لئے نہ کم سے کم نصاب متعین ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ حد، کیونکہ یہ ’’اِنفاق‘‘ احسان ہے اور ’’انفاقِ واجبہ‘‘ عدل۔ ’’عدل‘‘ معینہ اور مقررہ حد کے مطابق دینے کا نام ہے جبکہ ’’احسان‘‘ ایسا فعل ہے جو حدود و قیود سے بلند و بالا ہوتا ہے، احسان میں چونکہ محسن کے پیشِ نظر اپنی ذات اور مادی منفعت نہیں ہوتی، اس لئے اس میں کوئی ’’نصاب‘‘ نہیں ہوتا۔ مزید برآں احسان میں چونکہ دوسرے شخص کے استحقاق کا قانونی تعین نہیں ہوتا، اس لئے اس پر کوئی حد نہیں ہوتی۔ یہ انفاق، جو فعلِ احسان کی عملی صورت ہے، رضائے اِلٰہی کے نصب العین کی خاطر ہر ایک پر لازم ہے، خواہ غریب ہو یا امیر، صاحبِ نصاب ہو یا غیر صاحبِ نصاب، تھوڑا دے سکے یا زیادہ، جو کچھ بھی اُسے میسر ہو۔ اُسی میں حسبِ استطاعت اِنفاق کرنا ’’احسان‘‘ ہے۔ اس پر نہ یہ شرط ہے کہ کتنے میں سے دے؟ یہ بات دینے والے کے اپنے ظرف، غنائے نفس اور اُس کے ذاتی حالات پر منحصر ہے۔

اِنفاق اصلاً نصاب سے ماوراء ہے

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (۱)

(۱) البقرۃ، ۲: ۳

’’اور جو کچھ ہم نے اُنہیں عطا کیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیںo‘‘

یہاں ’’مَا‘‘ کلمۂ عام ہے جو نصاب کی شرط سے پاک ہے۔ اِس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ بھی خزانۂ قدرت سے نصیب ہوا ہو اُسی میں سے راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔

۲۔ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ.[(۱)]

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔‘‘

۳۔ یہی حکم ایک اور مقام پر بھی دیا گیا ہے:

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَo[(۲)]

’’اور تم اس (مال) میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اِس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کی مہلت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتاo‘‘

اِس آیت میں ایک تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اِنفاق کے لئے ڈھیروں مال کا ہونا ضروری نہیں جو کچھ بھی میسر ہو اُسی میں سے خرچ کیا جانا چاہیے۔ اسی کا نام ’’اِحسان‘‘ ہے۔ دوسری یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خدا کے مقربین و صالحین میں شامل ہونے کی بھی یہی صورت ہے کہ اِنفاق فی المال کے عمل کو اپنایا جائے۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۵۴

(۲) المنافقون، ۶۳: ۱۰

۴۔ ایک اور مقام پر مذکور ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ. (۱)

"اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔"

مذکورہ بالا آیات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ فعلِ احسان کے طور پر کئے جانے والے اِنفاق میں کوئی نصاب شرط نہیں ہے۔ جتنا کچھ پاس ہو اُسی میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا جائے۔

انفاق اصلاً تحدید سے ماوراء ہے

انفاق میں جس طرح نصاب کی شرط نہیں تھی، اُسی طرح اُس کی کوئی حد و انتہا بھی متعین نہیں ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَo (۲)

"اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)، اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کروo"

اِس آیت کے ذریعے حدِ اِنفاق کے مسئلے کو بھی حل کر دیا گیا کہ اِنفاق کی کوئی

(۱) البقرة، ۲:۲۶۷

(۲) البقرة، ۲:۲۱۹

آخری حد نہیں ہے، جو کچھ تمہاری ضرورتوں سے زائد ہو وہ دوسروں پر خرچ کر دو تاکہ اس سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ اِس آیت نے یہ فلسفۂ حیات بیان کیا کہ یہ ہرگز جائز نہیں کہ جس معاشرے میں کئی لوگ ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں یا غربت و افلاس کے باعث باعزت زندگی سے محروم کر دیئے گئے ہوں، اُسی معاشرے کے کچھ لوگ اپنی ضروریات سے بچی ہوئی دولت اپنی تحسینات و تزئینات اور تعیّشات پر خرچ کرنے لگیں اور بالآخر غربت و امارت کی بناء پر ایک ہی معاشرے میں طبقاتی تقسیم کی بنیاد فراہم ہو جائے۔ اِسی لئے فرمایا گیا:

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ○

’’اس حکم میں تمہارے لئے غور و فکر کا بہت سارا سامان موجود ہے○‘‘

آیت کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ایسے احکام کو محض ’’نفلی‘‘ اور ’’مستحب‘‘ اعمال سمجھ کر نظر انداز نہ کئے رکھو بلکہ اِس میں غور و فکر کرو اور ان کی بنیاد پر اپنے معاشرے کی معاشی زندگی کا ڈھانچہ تعمیر کرو۔ گویا آیت کے آخری الفاظ سابقہ حکم یعنی قُلِ الْعَفْوَ کی نسبت دعوتِ فکر و عمل دے رہے ہیں۔

۲۔ اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○ (۱)

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۵

کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے o‘‘

یہاں حکمِ انفاق کو اور زیادہ وسعت دے دی گئی ہے۔ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو، مستحق لوگوں کے معاشی تعطل کو رفع کرنے پر خرچ کر دو۔ یہاں یہ شرط بھی مرتفع کر دی گئی کہ ’’ضرورت سے بچ رہے تو خرچ کرو۔‘‘ نہیں نہیں، اگر کوئی غنائے صدیقی کا حامل ہے اور اپنی ضرورت بھی دوسروں پر خرچ کر دینا چاہتا ہے تو اس پر بھی کوئی پابندی نہیں، جو کچھ خرچ کرو گے، نیکی ہو گی اور نیکی کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا۔ بس خدا کی ذات تمہارے اِنفاق سے باخبر ہے۔ یہ حکم ہر ایک کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اُسی کے لئے ہے جو راہِ خدا میں سب کچھ لٹا کر بھی دل میں حزن و ملال محسوس نہیں کرتا اور مالی تنگی وقتی طور پر بھی اُسے پریشان نہیں کر سکتی۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے توکل اور استغناء کا وہ بلند درجہ نصیب ہو چکا ہو کہ دوسروں کا فقر مٹانے کے لئے اپنے اُوپر فقر بھی طاری کر لے تو اُس کے پایۂ استقلال اور عزم و ہمت میں کوئی فرق نہ آئے۔ یہ ایمان کا وہ کامل ترین درجہ ہے جس کا مظاہرہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر کیا تھا اور جس کا عملی مشاہدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیتِ نبوی کے گھروں میں ہوتا رہتا تھا۔

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى.(۱)

’’بہتر صدقہ وہی ہے جو ضرورت کے مطابق بچا کر کیا جائے یا غنائے نفس کے ساتھ کیا جائے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب النفقات، باب وجوب النفقة على الأهل والعيال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۴

’’عن ظھر غنی‘‘ کے الفاظ میں مذکورہ بالا دونوں صورتوں کو سمو دیا گیا ہے۔

۲۔ ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خیر لک وأن تمسکه شر لک ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول.(۱)

’’اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے بچا ہوا خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اس کو بھی بچا کر رکھ لے تو یہ تیرے لئے نقصان دہ ہے۔ ہاں اِس قدر بچا کر رکھنے میں کوئی مضائقہ اور ملامت نہیں جو تیری ضرورت کے لئے کافی ہو اور انفاق کا آغاز ان لوگوں سے کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔‘‘

۳۔ اسی سلسلے میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے، جسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

کنا عند رسول الله ﷺ إذ جاء رجل بمثل بیضة من ذهب، فقال: یا رسول الله! أصبت هذه من معدن، فخذها فهي صدقة ما أملک غیرها، فأعرض عنه رسول الله ﷺ، ثم أتاه من قبل رکنه الأیمن فقال مثل ذلک، فأعرض عنه، ثم أتاه من قبل رکنه الأیسر، فأعرض عنه رسول الله ﷺ، ثم أتاه من خلفه، فأخذها رسول الله ﷺ فحذفه بها، فلو أصابته لأوجعته أو لعقرته، فقال رسول الله ﷺ: یأتي أحدکم بما یملک فیقول هذه صدقة، ثم یقعد

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶
۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

يستكف النّاس، خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى.(۱)

’’ایک مرتبہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے یہ سونا ایک کان سے ملا ہے۔ اسے صدقہ کے لئے قبول فرما لیجئے۔ اس کے سوا میرے پاس اور کچھ نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے چہرۂ انور دوسری طرف کر لیا۔ پھر وہ شخص دائیں جانب سے آکر یہی عرض کرنے لگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر اُس سے صرفِ نظر فرما لی۔ پھر وہ شخص آپ ﷺ کی بائیں جانب سے آیا اور یہی عرض کی۔ آپ ﷺ نے اس سے پھر صرفِ نظر فرما لی پھر وہ شخص آپ ﷺ کی پشت کی طرف سے آیا (یہاں تک کہ) آپ نے اُس سے سونا لے کر اُس کی طرف دے مارا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جو کچھ اُس کے پاس ہو لے کر آجاتا ہے اور کہتا ہے اُسے صدقہ کر دیجئے۔ پھر خود بیٹھ کر لوگوں کے ہاتھ تکتا رہتا ہے (کہ کوئی اُسے دے گا تو اُس کی ضرورت پوری ہو گی) بہتر صدقہ وہی ہے جو حسبِ ضرورت بچا کر کیا جائے۔‘‘

اِس حدیث سے عوام الناس کو یہ ’’اُصولِ اِنفاق‘‘ مہیا کر دیا گیا کہ اِنفاق کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ لیکن کم از کم اِس امر کا خیال رہنا چاہیے کہ اتنا کچھ ضرور بچا کر رکھ لیا جائے جس سے صاحبِ اِنفاق کی ذاتی اور عائلی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب الرجل يخرج من ماله، ۲: ۱۲۸، رقم: ۱۶۷۳

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۹، رقم: ۱۶۵۹

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۵۷۳، رقم: ۱۵۰۷

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۵۶۶

اِس اُصولِ انفاق کی بہترین مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر فراہم کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے ’’نصف مال‘‘ گھر کے لئے رکھ لیا اور نصف صدقہ کر دیا۔‘‘ لیکن ایک نمونہ اُسی موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فعلِ اِنفاق نے فراہم کیا کہ آپ نے سب کچھ صدقہ کر دیا اور کہا کہ ’’ہمارے لئے خدا اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی ہیں۔‘‘ یہ مقامِ تفویض تھا جو احسان کا بلند ترین درجہ ہے۔ کوئی شخص غنائے قلب کے اس مقام پر فائز ہو تو اُس کے لئے اِنفاق اس حد تک بھی جائز ہے۔ لیکن اہل و عیال کا بھی اس درجے کا متوکل ہونا ضروری ہے تاکہ رضائے اِلٰہی کی خاطر کی گئی قربانی پر کسی کے دل میں رنج و ملال کا شائبہ تک پیدا نہ ہونے پائے۔

مذکورہ بالا حدیث پر غور فرمایئے۔ اس شخص کا صدقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہ فرمایا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ سارے کا سارا مال پیش کر رہا تھا۔ اگر صرف یہی وجہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا صدقہ قبول نہ فرماتے۔ اس کا صدقہ قبول نہ فرمانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ سارا مال صدقہ کرنے کی جرأت تو کر رہا تھا لیکن غنائے قلب اور توکل کے اس مقام پر فائز نہ تھا جس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز تھے، کیونکہ وہ مال صدقہ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا: مَا اَمْلِکُ غَیْرَهَا (میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں) اس کے یہ الفاظ اس اَمر پر دلالت کر رہے تھے کہ یہ شخص سارا مال دے کر دل سے مطمئن نہیں۔ وہ ابھی تک مال و دولت سے اس قدر بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوا جو اس حد تک اِنفاق کے لئے ضروری ہے اس لئے تو ساتھ ہی یہ سنا رہا ہے کہ ’’میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں۔‘‘ نگاہِ نبوت نے جان لیا کہ ’’یہ سب کچھ لٹا کر خوش نہیں رہے گا بلکہ لالچ بھری نگاہوں سے دوسروں کو تکتا رہے گا۔‘‘ اِس لیے اُسے فرمایا:

خذ الذي لک لا حاجة لنا به.(۱)

---

(۱) ۱۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۹، رقم: ۱۶۵۹

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب الرجل یخرج من ماله، ۲: ←

’’اپنا مال واپس لے جا، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔‘‘

انفاق میں غناءِ مال اور غناءِ نفس کا امتیاز

مذکورہ بالا بحث سے یہ امر طے ہوا کہ غناء کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ غناءِ مال ۲۔ غناءِ نفس

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ’’خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی (بہترین صدقہ وہ ہے جو غناء کے ساتھ کیا جائے)‘‘ دونوں قسموں پر منطبق ہوتا ہے کیونکہ لوگ جو احکامِ شریعت کے مکلّف ہوتے ہیں ان کی بھی دو اقسام ہیں: ’’عوام‘‘ اور ’’خواص‘‘۔

عوام کے لئے ’’عن ظهر غنی‘‘ کا وہی معنی ہے جو اُوپر بیان ہو چکا ہے اور جس کی تصریح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے ہو چکی ہے کہ ’’بہتر صدقہ وہ ہے جس کے پیچھے غناء ہو۔‘‘ یعنی صدقے کے باوجود پیچھے اس قدر مال موجود ہو جو اس کی ضروریات کے لئے کافی رہے اور اس شخص کو مالی پریشانی سے بے نیاز رکھے۔ یہ حکم غناءِ مال کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور اس کے مکلّف عوام ہے۔

خواص کے لئے ’’عن ظهر غنی‘‘ کا معنی وہ ہے جس کی تصریح عملِ صدیقی سے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے مفہومِ حدیث یہ ہوا کہ ’’بہتر صدقہ وہ ہے جس کے پیچھے غنائے نفس ہو۔‘‘ یعنی دل اس قدر متوکل اور دولتِ غناء سے بہرہ یاب ہو کہ سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا کر بھی بوجھ محسوس نہ کرے اور یہ گمان تک ذہن میں پیدا نہ ہونے پائے کہ ’’اب ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟‘‘ اس مفہوم کی تائید بھی خود حضور نبی اکرم ﷺ کے اس حکم سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

-------: ۱۲۸، رقم: ۱۶۷۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۵۶۶

لیس الغنی عن کثرة العرض ولکن الغنی غنی النفس.(۱)

’’غناء کثرتِ مال سے نہیں بلکہ غناءِ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔‘‘

اِس حکم کے مکلّف خواص ہیں ...... حکم ایک ہی ہے لیکن اس کی تعبیریں اور اطلاقات مختلف ہیں۔

عوام کو صرف ضرورت سے زائد خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا وہ ’’قُلِ الْعَفْوَ‘‘ کے مصداق ہیں۔ ان کے لئے غناء سے مراد غناءِ مال ہے اور خواص کو سب کچھ راہِ خدا میں لٹا دینے کی بھی اجازت ہے۔ لہٰذا وہ ’’مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ‘‘ کے مصداق ہیں۔ ان کے لئے غناء سے مراد ’’غناءِ نفس‘‘ ہے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ غناءِ نفس سے بہرور تھے۔ اس لئے ان کا سارا سرمایہ و دولت بطور صدقہ قبول کر لیا گیا۔ دوسرا شخص غناءِ نفس سے بہرہ ور نہ تھا۔ اس کو غناءِ مال کی ضرورت تھی۔ اس لئے اس کا سارا مال بطور صدقہ قبول نہ کیا گیا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر فیصلہ کریں کہ خواص تو درکنار، کیا ہم انفاق کے معاملے میں عوام کے معیارِ ایمان پر بھی پورے اترتے ہیں یا نہیں؟

انفاق فی المال کی مختلف جہات

مذکورۃ الصدر ضروری توضیحات کے بعد اب ہم ’’انفاق فی المال‘‘ کا جائزہ حصولِ

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب فلهذا غنى النفس وقال الله تعالى أيحسبون أن ما نمدهم به من مال وبنين، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ليس فلهذا عن كثرة العرض، ۲: ۷۲۶، رقم: ۱۰۵۱

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فلهذا غنى النفس، ۴: ۵۸۶، رقم: ۲۳۷۳

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۸۹، رقم: ۹۰۵۰

نصب العین کے لائحہ عمل کے طور پر لیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ''رضائے الٰہی کے حصول'' کا طریق فعلِ احسان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ احسانِ کامل ''انفاق فی المال'' کے بغیر ممکن نہیں اس سلسلے میں قرآنِ حکیم کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے ○''

اس آیت میں اصل بیان ''انفاق فی المال'' کرنے والوں کا ہو رہا ہے اور انہی کی دو خصوصیات مزید بیان کی گئی ہیں۔ ایک غصہ پینا، دوسری لوگوں کو معاف کرنا۔ حقیقت میں ان دو صفات کا تعلق بھی ''اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ'' (یعنی انفاق کرنے والوں) سے ہی ہے۔ کیونکہ پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''پرہیز گار لوگ وہ ہیں جو خوشی اور تنگی و رنج ہر حال میں خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں''۔

''اَلضَّرَّاء'' کا لفظ صراحت کے ساتھ حالتِ رنج کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایسی حالتیں کئی مرتبہ انسانی زندگی میں آتی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس حالت کو بیان کرنے کے فوراً بعد کہا گیا: ''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ'' یعنی رنج والم اور غم وغصہ کی حالت بھی انہیں ''اِنفاق فی سبیل اللہ'' سے باز نہیں رکھ سکتی اور وہ اس حال میں بھی راہِ خدا میں معمول کے مطابق عملِ انفاق جاری رکھتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ رنج والم کے لمحات میں غصے اور پریشانی سے مغلوب ہو کر احسان و اِنفاق کا وطیرہ ترک نہیں کرتے بلکہ رنج کو گویا پی جاتے ہیں اور اس طرح ان کا شعارِ حیات ہرگز متاثر نہیں ہونے پاتا۔

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۴

اِسی طرح دوسری صفت ''وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ'' بیان کی گئی ہے یعنی اگر کچھ لوگ ان سے دُرشتی و تلخی اور غیر مہذّب انداز سے پیش آئیں۔ یہاں تک کہ ان سے زیادتی بھی کر لیں، تب بھی وہ انتقاماً فعلِ انفاق کو ترک نہیں کرتے، بلکہ ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنے کے لئے ان پر اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق احسان اسی طرزِ عمل کا نام ہے جو دوسروں کی طرف سے زیادتی کے باوجود ان سے حسنِ سلوک اور مہربانی کے طور پر قائم رکھا جائے۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ خوشی و مسرت کی حالت ہو یا تنگی و عسرت کی، رنج و الم اور غم و غصہ کی حالت ہو یا کسی کی طرف سے ظلم و زیادتی کی، ہر حال میں ''انفاق فی المال'' کے عمل کو جاری رکھنا ''احسان'' ہے اور انہی احسان والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔

یہاں یہ نکتہ بخوبی سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنا بغیر اس سے راضی ہوئے نہیں ہوسکتا۔ جس کو باری تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیں وہی شخص ''اِنسانِ مرتضیٰ'' کہلاتا ہے۔ اسی کو قرآنی اصطلاح میں ''محسن'' بھی کہتے ہیں اور ''متقی'' بھی، ''صالح'' بھی کہتے ہیں اور ''ولی'' بھی۔ لہٰذا ''اِنفاق فی المال'' حقیقی احسان بھی ہوا اور رضائے اِلٰہی کے حصول کا عملی طریقِ کار بھی۔

(۱) عملِ انفاق تزکیۂ مال کا باعث ہے

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ رضائے اِلٰہی کے نصب العین کا محرک ''تزکیہ'' ہے۔ تزکیہ دو طرح کا ہوتا ہے: تزکیۂ مال اور تزکیۂ نفس۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تزکیہ کی دونوں صورتیں ''انفاق'' پر منحصر ہیں اور دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ آیئے اب ہم ان دونوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

قرآن مجید میں ارشادِ ربّانی ہے:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَ يَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝(۱)

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ۝ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے ۝‘‘

پہلی آیت نے صراحت کے ساتھ مذکورہ بالا امر کی تائید کر دی کہ راہِ خدا میں اِنفاق (یعنی صدقہ) کے بغیر طہارت و تزکیہ ناممکن ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ’’صدقہ‘‘ تو اہلِ ثروت کے مال سے حاصل کیا جا رہا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اِنفاق کا محل مال و دولت ہی ہوسکتی ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ اس صدقہ و اِنفاق سے حاصل ہونے والی ’’طہارت و تزکیہ‘‘ کی اضافت بھی ان لوگوں کے مال کی طرف کی جاتی یعنی الفاظ یوں ہوتے:

تطهر أموالهم وتزكی أموالهم.

(۱) التوبة، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

''(اس صدقہ کے ذریعے) آپ ان کے مال و دولت کو پاک، صاف اور ستھرا کر دیں۔''

یعنی جس مال میں سے صدقہ لے لیا گیا ہے وہ پاک، صاف اور ستھرا ہو گیا۔ اب بھی یقیناً یہ معنی تو موجود ہی ہے جس کی نفی نہیں ہو سکتی، لیکن قرآن مجید کی عبارت یوں ہے:

تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ بِهَا.

''اس صدقہ کے ذریعے آپ ان کو پاک، صاف اور ستھرا کریں۔''

دونوں جگہ ''ھم'' کی ضمیر کا مرجع ظاہراً وہ لوگ ہیں جن کا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اس اسلوبِ بیان سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ ''صدقہ و انفاق، مال و دولت کا تزکیہ وطہارت تو کرتا ہی ہے مزید یہ کہ اس عمل سے اِنفاق اور صدقہ کرنے والوں کے نفوس کو بھی تزکیہ و طہارت نصیب ہو جاتی ہے۔''

گویا عملِ اِنفاق نہ صرف تزکیۂ مال کا بلکہ تزکیۂ نفس کا بھی باعث ہوتا ہے۔ مستزاد یہ کہ تزکیۂ نفس کی تمام دوسری کوششیں جو اِنفاق سے خالی ہوں اور دوسرے لوگوں کے حق میں بخل و اکتناز پر مبنی ہوں۔ کبھی بھی ''تزکیۂ نفس'' کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

(۲) عملِ اِنفاق تزکیۂ نفس کا باعث ہے

جس طرح ہم نے پہلے واضح کر دیا ہے کہ عملِ انفاق سے حاصل ہونے والا تزکیۂ مال بلاشک وشبہ ''تزکیۂ نفس'' کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ عملِ انفاق تزکیۂ نفس کی یقینی صورت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ○ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ

نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓی○ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی○ وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰی○[1]

’’اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گا○ جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے○ اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو○ مگر (وہ) صرف اپنے ربِ عظیم کی رضا جوئی کے لئے (مال خرچ کر رہا ہے)○ اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گا○‘‘

مذکورہ بالا آیات سے درج شدہ اُصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ ’’اِنفاق فی المال‘‘ تقویٰ کی سب سے بڑی صورت ہے۔

۲۔ یہ دوزخ کے عذاب سے بچاؤ کی ضمانت ہے۔

۳۔ اِنفاق فی المال سے حقیقی تزکیۂ نفس نصیب ہوتا ہے۔

۴۔ عملِ انفاق صرف رضائے اِلٰہی کے حصول کی خاطر ہونا چاہیے۔

۵۔ رضائے اِلٰہی کے حصول کی غرض سے اپنایا ہوا عمل انفاق انسان کو یقیناً مرتضائے اِلٰہی بنا دیتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ عملِ انفاق تزکیۂ نفس کے ذریعے رضائے اِلٰہی کے نصب العین کے حصول کی ضمانت عطا کرتا ہے بلکہ تزکیۂ نفس اور رضائے اِلٰہی کی اصلی اور عملی اساس ہی ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہے۔

(۳) اِنفاق فی المال ہی بِرّ و تقویٰ کی اساس ہے

کوئی شخص ’’انفاق فی المال ہی اصل نیکی اور تقوی ہے‘‘ کے اِس تصور کو انتہا پسندی سے تعبیر کرسکتا ہے لیکن ایسا سوچنا قرآنی تعلیمات کے منافی ہو گا۔ حقیقت یہ ہے

(۱) اللیل، ۹۲: ۱۷۔ ۲۱

کہ ہم نے ’’انفاق‘‘ کو معیشت کا مسئلہ اور ’’نیکی اور تقویٰ‘‘ کو مذہب کا مسئلہ بنا کر انہیں ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں مذہبی فکر کا یہی التباس نوجوان نسل کو معاشی مسئلے کی سنگینی کی بناء پر اشتراکیت کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر رہا ہے اور اگر کسی سمت سے ’’معیشت و مذہب‘‘ کی حقیقی وحدت و عینیت کی بناء پر ’’استحکامِ معیشت‘‘ کی ضرورت کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے تو مذہبی فکر کے نام نہاد علمبردار اور خود ساختہ اجارہ دار اسے الحاد و اشتراکیت کا نام دے دیتے ہیں۔ جس سے یہ تصور عام ہو جاتا ہے کہ شاید اسلام ’’معاشی مسئلہ‘‘ کو اس قدر بنیادی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں اور شاید اِسلام کے نزدیک بنیادی مسئلہ ’’اخلاق و مذہب‘‘ کا ہی ہے۔ اس تصور نے تعلیماتِ اِسلام کا چہرہ مسخ کر دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معاشی الجھنوں میں گرفتار ذہن، اِسلام سے وہ قلبی و عملی اور فکری و نظریاتی وابستگی اور وفاداری محسوس نہیں کرتا جو فی الحقیقت اُسے بحیثیت مسلمان ہونی چاہیے تھی۔ اِسلام سے اس فکری بُعد اور نظریاتی لاتعلقی کی ذمہ داری جدید نسل یا عوام پر نہیں بلکہ ان نام نہاد مبلغینِ اِسلام اور عمائدینِ مذہب پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے ذہنی التباس کے باعث اِسلام میں معاشی مسئلے کی صحیح اہمیت اور معیشت و مذہب کے اصل تعلق کو نہیں سمجھا اور اس وجہ سے وہ عصرِ حاضر کے انسان کے پریشان کن مسائل کی صحیح تشخیص نہیں کر سکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ.(۱)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

یہاں ’’بِر‘‘ یعنی نیکی اور دینداری کا حصول ’’اِنفاق فی المال‘‘ کے بغیر ناممکن قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا اس سے زیادہ صریح اعلان اور کیا ہوسکتا ہے کہ تمہاری نیکی

(۱) آلِ عمران، ۳: ۹۲

صرف اور صرف خدا کے راستے میں اِنفاقِ مال پر منحصر ہے۔ گویا عام لفظوں میں ''اِنفاق فی المال'' ہی کو ''بر'' یعنی نیکی قرار دے دیا گیا۔ اس آیت میں دو افراد کا ذکر ہے:

مُنْفِقٌ: (اِنفاق کرنے والا۔ مالدار) یعنی وہ شخص جو اپنا مال دوسرے پر خرچ کر رہا ہے۔

مُنْفَقٌ علیه: (جس کے حق میں اِنفاق کیا گیا ہو۔ ضرورت مند) یعنی وہ شخص جس پر مال خرچ کیا جا رہا ہے۔

حصولِ بِرّ کے لئے عملِ انفاق

''منفَق علیه'' یا مستحقِ صدقہ جسے ضرورت مند بھی کہتے ہیں، موجود نہ ہو تو فعلِ اِنفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ کے حوالے سے حصولِ بِرّ کے لئے ''عملِ اِنفاق'' ضروری ہے۔ عمل صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ''اِنفاق فی المال''۔ منفِق یعنی مال دار اس کا فاعل ہے اور ''منفَق علیه'' یعنی ضرورت مند اس کا مفعول لہ ہے۔ اگر آپ فعلِ اِنفاق کے نتائج پر غور فرمائیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب مالدار اپنی دولت راہِ خدا میں کسی ضرورت مند پر خرچ کرے گا تو اس فعل کا نتیجہ اس مالدار کے حق میں ''نیکی اور دینداری'' کی صورت میں برآمد ہوگا جبکہ اِس ضرورت مند کے حق میں اِسی فعل کا نتیجہ ''استحکامِ معیشت'' کی صورت میں برآمد ہوگا۔ ''نیکی اور دینداری'' مذہب کا دوسرا نام ہے۔ گویا ''عملِ اِنفاق'' سے مالدار کا مذہب وابستہ ہے اور ضرورت مند کی معیشت۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید یہ اعلان کر رہا ہے کہ لوگوں کے مسئلہ ''معیشت'' کو نظر انداز کر کے تم اپنے ''مذہب'' کی سلامتی حاصل نہیں کر سکتے۔ مذہبی فضائل کا حصول لوگوں کو معاشی تعطل سے نجات دلائے بغیر ناممکن ہے۔ یہ تو مذہب و معیشت کے باہمی تعلق اور ان کے استحکام کا فلسفہ تھا لیکن انفرادی طور پر جو اُصول اس آیت نے وضع کیا وہ یہ ہے کہ ''اصل نیکی'' اِنفاق سے ہی ممکن ہے اور اس کے بغیر کوئی

بھی عمل نیکی قرار نہیں پا سکتا۔ حقیقی نیکی خدا کے نزدیک اِنفاق فی المال کے عمل سے ہی میسر آتی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کے الفاظ بھی اِسی حقیقت کی تائید کر رہے ہیں کہ اصل نیکی ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ الْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ج وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ. (۱)

''بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔''

اس آیت میں جملہ احکام و اعمال کو ''تصورِ نیکی'' میں بطور ضروری اجزاء کے شامل کیا گیا ہے لیکن قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید شرطِ ایمان پوری کرنے کے بعد نیکی کے حصول کا سب سے اوّلین تقاضا ''اِنفاق فی المال'' ہی کو قرار دے رہا ہے اور اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (۲)

''یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں ○''

فرما دیا: ''یہی لوگ صاحبِ صدق ہیں اور یہی لوگ صاحبِ تقویٰ ہیں۔'' گویا بِرّ، صدق اور تقویٰ تمام تصوّرات کا تقاضائے اوّلین ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ اس کے بغیر

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

یہ امر بڑا غور طلب ہے کہ قرآنِ حکیم میں جس جگہ بھی ’’تقویٰ اور ’’متقین‘‘ کی تعریف بیان کی گئی ہے اس میں کہیں بھی ’’اِنفاق فی المال‘‘ کی صفت کو نظرانداز نہیں کیا گیا بلکہ اس عمل کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ’’عین تقویٰ‘‘ یا تقویٰ کا جزوِ لاینفک معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ البقرۃ میں متقین کی تعریف

قرآنِ مجید میں سب سے پہلے ’’متقین‘‘ کی اصطلاح اور اس کی تعریف سورۃ البقرۃ کے آغاز میں یوں وارد ہوئی ہے:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ○ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنفِقُونَ ○(۱)

’’(یہ قرآن) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے○ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں○‘‘

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ’’ایمان بالغیب‘‘ اور ’’اقامتِ صلوٰۃ‘‘ یہ دو اوصاف تو ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔ اجزائے ایمان اور ارکانِ اِسلام کا اہم حصہ اُنہی پر مبنی ہے۔ ان کے بغیر تو کسی شخص کا ایمان اور اِسلام ہی متحقق نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے یہ دو شرائط تو ہر کسی کے ’’صحیح مسلمان‘‘ ہونے کے لئے مقدم ہیں۔ اب رہ گئی بات ان میں سے ’’متقین‘‘ کے انتخاب کی تو اس کے لئے صرف ایک شرط اور علامت کا اضافہ کیا گیا۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ (کہ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے اِنفاق کرتے ہیں) گویا ’’ایمان بالغیب‘‘ سے کوئی شخص دائرہ اِسلام میں داخل ہوا۔ اقامتِ صلوٰۃ سے اس کا

(۱) البقرۃ، ۲: ۲، ۳

مسلمان ہونا بالفعل متحقق ہوا اور ’’اِنفاق فی المال‘‘ کے ذریعے حقیقت میں وہ صاحبِ تقویٰ قرار پایا۔

اسی طرح ’’سورۃ آل عمران‘‘ میں جنت کے استحقاق کا بیان ہے جس کے الفاظ اِس طرح ہیں:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَo الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ.[1]

’’اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہےo یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں۔‘‘

اِس آیت کا مفہوم اور اِس میں بیان ہونے والے دیگر اوصاف کی حقیقت پہلے واضح کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ خدا کے ہاں ’’متقین‘‘ کی سب سے پہلی اور ضروری خصوصیت ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہے۔ اِس کے بغیر قرآنی اصطلاح کے مطابق کسی بھی صاحبِ عمل کو ’’متقی‘‘ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں قرآنِ حکیم ’’الاتقیٰ‘‘ (بہت زیادہ متقی) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ یہ تقویٰ سے اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کی تعریف بھی قرآن مجید ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَیo الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَکّٰیo[2]

’’اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گاo جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرےo‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۳، ۱۳۴
(۲) اللّیل، ۹۲: ۱۷، ۱۸

اِس آیت نے ’’تقویٰ‘‘ کا مبالغہ بھی ’’اِنفاق‘‘ کے عمل ہی سے متعین کیا اور ساتھ ہی اِس کا نتیجہ اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰیo(۱)

’’اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گاo‘‘

یہی ہمارے موضوع کا ماحصل تھا کہ فعلِ اِنفاق رضائے اِلٰہی کے نصب العین کے حصول کی ضمانت مہیا کرتا ہے یعنی جو شخص ’’اِنفاق فی المال‘‘ کے ذریعے زیورِ تقویٰ سے آراستہ ہوگا، وہ نعمتِ رضائے اِلٰہی سے بھی ضرور بہرہ ور ہو کر رہے گا۔

(۴) عملِ اِنفاق اِجابتِ دعا کا باعث ہے

قرآن مجید میں ارشادِ باری ہے:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌo(۲)

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث اُنہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور اُنہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

آیتِ متذکرہ میں ترتیبِ الفاظ پر دوبارہ غور کرنے سے درج ذیل تین امور

(۱) اللّیل، ۹۲: ۲۱

(۲) التوبة، ۹: ۱۰۳

سامنے آتے ہیں:

۱۔ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً.

’’ان کے مال میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے صدقہ حاصل کیجئے۔‘‘

۲۔ تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا.

’’اس طرح ان کے اموال اور ان کے نفوس پاک و صاف ہو جائیں گے۔‘‘

۳۔ وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ○

’’اور اب ان کے لئے دعائے خیر فرمائیے۔ بیشک آپ کی دُعا اُنہیں سکونِ قلب عطا کر دے گی اور اللہ تعالیٰ (دعاؤں کو) سننے والا اور (اعمال کو) جاننے والا ہے○‘‘

سب سے پہلے صدقہ و اِنفاق کا عمل جاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس ’’اِنفاق‘‘ کے ذریعے تمہاری ظاہری و باطنی میل کچیل دُور ہو جائے گی۔ تمہارا قلب و باطن اور نفس، رُوحانی آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جائے گا۔ تزکیہ وتجلیہ کا یہ عمل جو محض ’’اِنفاق فی المال‘‘ کا نتیجہ وثمرہ ہے۔ تمہیں ظلماتِ نفسانی سے نجات دلا دے گا۔ گویا خلقِ خدا کی منفعت اور فیض رسانی کو اپنا شعار بنا کر جب تم اپنے لئے بارگاہِ ایزدی کی طرف متوجہ ہو گے تو تمہاری دُعائیں قبولیت کے ساتھ نوازی جائیں گی اور یہ قبولیتِ دعا کا احساس تمہیں قلبی سکون عطا کرے گا۔ بیشک اللہ تمہاری ان دعاؤں کو بھی سنتا ہے جو تم اپنی منفعت کے لئے مانگتے ہو اور تمہارے اس عمل کو بھی جانتا ہے جو تم دوسروں کی منفعت کی خاطر کرتے ہو (یا نہیں کرتے) گویا خلقِ خدا کے حق میں صدقہ و اِنفاق جتنا کثیر ہو گا اسی قدر اجابتِ دُعا نصیب ہو گی اور اگر اِنسان دوسروں کی منفعت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، دوسروں کے حقوق پامال کرتے ہوئے دوسروں کے حق میں نفع بخشی، فیض رسانی اور دردمندی کا عمل نظر انداز کرتے ہوئے خود کو اپنے ذاتی مفادات اور حقوق و

منافع کے تنگ حصار میں محصور کر لے تو دُعائیں شانِ اجابت سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتیں، رائیگاں تو وہ بھی نہیں جاتیں کیونکہ دُعا خود عبادت ہے اِس لئے ان کا اجر کسی نہ کسی طور مل ہی جاتا ہے لیکن دُعا کا مطلوبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔

عام طور پر یہ سننے میں آتا ہے کہ ''ہماری تو دُعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ خدا جانے ہم نے کیا خطا کی ہے کہ ہمیں معافی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ہماری پریشانیاں ہی دُور نہیں ہوتیں'' وغیرہ وغیرہ۔

ہم اپنی دُعاؤں کی عدمِ قبولیت کا شکوہ تو کرتے ہیں لیکن اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دعاؤں کی قبولیت کے لئے ایک عمل بطور شرط مقدم ہے اور ہم نے اس کو اپنی زندگی سے کلیتاً خارج کر دیا ہے۔ شرط پوری نہ ہو تو صلے کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ وہ شرط یہی ہے جس کا ذکر مجملاً اُوپر کیا جا چکا ہے، قرآن مجید آیتِ مذکورہ کے بعد اگلی آیت میں اس شرط کو نئے انداز اور پرزور طریقے سے دوبارہ بیان کر رہا ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ. (۱)

''کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے ۝ اور فرما دیجئے: تم عمل کرو، سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ (بھی) دیکھ لے گا اور اس کا رسول (بھی) اور اہلِ ایمان (بھی)۔''

مدعائے آیت یہ ہے کہ اے خدا کے بندو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری دُعائیں

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۴، ۱۰۵

سنتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں لیکن تمہاری دعاؤں کی قبولیت و اجابت کے لئے ایک شرط مقرر کر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے تمہیں جس مال و دولت سے نوازا ہے وہ ہماری امانت ہے۔ تمہارے ہی معاشرے اور گرد و پیش میں ہمارے کتنے بندے ایسے ہیں جو معاشرتی ناانصافیوں کا شکار ہو کر معاشی تعطل کی نذر ہو گئے ہیں۔ تم اگر ان کی پریشانیوں کی پرواہ نہ کرو، ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنا اپنا فرض نہ سمجھو، اُنہیں ضروریاتِ زندگی بہم پہنچا کر اُن کی تخلیقی جدوجہد بحال کرنے کی سعی نہ کرو اور ان سے دل سوزی و دردمندی کا عملی مظاہرہ نہ کرو تو ہم سے کیسے توقع رکھتے ہو کہ ہم تم پر راضی ہو جائیں گے کیونکہ ان پریشان حال لوگوں کا ہماری ذات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ جو کچھ بھی صدقہ و خیرات تم اُنہیں دینا چاہو وہ ہم براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے وصول کرتے ہیں اور اپنی طرف سے اُنہیں عطا کرتے ہیں تاکہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہونے پائے۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم یا تو ان کی پریشانیوں سے صرفِ نظر کئے رہتے ہو اور اگر کبھی اُن پر ترس کھا کر ان کی مالی اعانت کرتے بھی ہو تو اس قدر رعونت اور فخر و تمکنت کے ساتھ کہ وہ عمر بھر تمہارے احسان مند بنے رہیں۔ اس وقت تمہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ متکبرانہ اور متفخرانہ سلوک تم ان سے نہیں بلکہ اپنے خالق و مالک سے کر رہے ہو کیونکہ تمہارے صدقات وصول کرنے والا ہاتھ اُن لوگوں کا نہیں ''اللہ کا ہاتھ'' ہوتا ہے۔

غور تو کرو! اپنے رب سے ایسا نازیبا سلوک کرنے کے بعد تم توبہ اور دعا کی عدمِ قبولیت کا شکوہ بھی کرتے ہو۔ وہ ذات تو توّاب و رحیم ہے اس لئے تمہیں پھر بھی بخش دیتی ہے۔

ذرا سوچو تو سہی کیا اس طرزِ عمل کے بعد تم کسی قسم کے انعام و اکرام کے مستحق قرار دیئے جا سکتے ہو؟ لہٰذا اجابت و قبولیتِ دُعا کی متعدد صورتوں میں سے سب سے نمایاں صورت یہی ہے کہ انسان خلقِ خدا کے حق میں رحیم و کریم بن جائے۔ پھر اس کے رحم و کرم کے بے کنار نظاروں سے لُطف اندوز ہو سکے گا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من یرحم الناس یرحمه اللہ.[1]

''جو بندوں پر رحم کرتا ہے اُسی پر خدا کی طرف سے بھی رحم کیا جاتا ہے۔''

(۵) عملِ اِنفاق تصدیقِ دین ہے اور ترکِ اِنفاق تکذیبِ دین

مذکورہ بالا عنوان اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ''اِنفاق فی المال'' دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تائید و تصدیق ہے اور اس سے انحراف دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تکذیب و تردید ہے۔ اگر یہ حقیقت ہو تو پھر اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ فعلِ انفاق ہی حصولِ نصب العین کا واحد ذریعہ ہے اور اس کے بغیر مقصدِ حیات کو پانے کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں۔ سب سے پہلے ہم اس کی شہادت دو ایسی قرآنی آیات سے پیش کرتے ہیں جن میں ''نیکی'' کی تصدیق اور تکذیب دونوں صورتوں کا موازنہ کیا گیا ہے، بلکہ اِس موازنے سے قبل بڑے حکیمانہ انداز سے ہر جنس میں تضاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىo وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰىo[2]

''رات کی قَسم جب وہ چھا جائے (اور ہر چیز کو اپنی تاریکی میں چھپا لے)o
اور دن کی قَسم جب وہ چمک اٹھےo''

ان دو آیات میں رات اور دن کا تضاد مذکور ہے اور ان کی الگ الگ علامتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اِسی طرح ''انسان'' کی جنس کو بھی دو مختلف انواع میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے:

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۳۱۲، رقم: ۲۳۰۱
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۱: ۴۸۳، رقم: ۷۷۸
(۲) اللّيل، ۹۲: ۱، ۲

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰیo[1]

’’اور اس ذات کی (قَسم) جس نے (ہر چیز میں) نر اور مادہ کو پیدا فرمایاo‘‘

’’رات اور دن‘‘ اور ’’نر اور مادہ‘‘ کی مذکورہ بالا دو مثالیں اور ان کے تضادات کو حلفیہ انداز میں بیان کرنے کے بعد اب ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰیo[2]

’’بیشک تمہاری کوشش مختلف (اور جداگانہ) ہےo‘‘

یعنی کچھ لوگ اپنے عمل اور جد وجہد سے نیکی اور دین کی تصدیق کریں گے جبکہ کچھ لوگوں کی تگ و دو نیکی اور دین کی تکذیب سے عبارت ہو گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کس طرح ہو گا کہ کون نیکی کی تصدیق کر رہا ہے اور کون تکذیب؟

قرآن مجید نے اِس اَمر کا دوٹوک فیصلہ فرما دیا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰیo وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰیo فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰیo وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰیo وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰیo فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰیo[3]

’’پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کیo اور اس نے (اِنفاق و تقویٰ کے ذریعے) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کی تصدیق کیo تو ہم عنقریب اسے آسانی (یعنی رضائے الٰہی) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گےo اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہاo اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایاo تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے

(۱) اللّیل، ۹۲: ۳
(۲) اللّیل، ۹۲: ۴
(۳) اللیل، ۹۲: ۵۔ ۱۰

سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)o‘‘

ان آیات کی تصریح کے بعد موضوعِ متذکرہ کی تائید میں مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ قرآنِ مجید نے بڑے واشگاف الفاظ میں ’’انفاق‘‘ کو نیکی کی تصدیق اور ’’بخل‘‘ کو نیکی کی تکذیب قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا دینِ حق کی تصدیق و تکذیب کا معیار بھی لامحالہ یہی امتیاز قرار پائے گا۔ یہاں یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں نہ صرف انفاق کو ’’تصدیقِ حسنیٰ‘‘ اور ترکِ انفاق کو ’’تکذیبِ حسنیٰ‘‘ قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو شخص بھی ’’فعلِ انفاق‘‘ اپنائے گا اس کے لئے اس کی منزل اور نصب العین کا حصول نہایت آسان کر دیا جائے گا اور اس کے برعکس جو شخص بھی ترکِ انفاق یعنی بخل اور ارتکازِ دولت کے راستے پر گامزن ہوگا اس کے لئے منزلِ حق کا حصول دُشوار کر دیا جائے گا۔ اس قرآنی فیصلے میں کسی کے لئے کسی قسم کی کوئی استثنیٰ یا رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ یہاں دو لفظ بڑے معنی خیز استعمال ہوئے ہیں:

مَنْ م بَخِلَ وَاسْتَغْنٰیo(۱)

’’جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہاo‘‘

’’بخل‘‘ سے مراد اپنے سرمایہ و دولت کو خرچ نہ کرنا ہے۔ یہ ’’انفاق‘‘ کی متضاد حالت ہے جو ارتکاز اور اکتناز کی تمام صورتوں کو محیط ہے اور ’’استغناء‘‘ سے یہاں مراد معاشرے کے حاجتمند طبقے کی معاشی ضروریات سے صرفِ نظر کرنا ہے۔ اس میں ایک خاص نقطہ نظر کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر معاشرے میں کچھ لوگ معاشی تعطل کا شکار ہوں اور ان کی یہ حاجتمندی اور اضطراری حالت اُنہیں ضمیر فروشی، مصلحت کوشی اور عصمت فروشی تک مجبور کر رہی ہو تو یہ ان کی اپنی لادینیت اور بے ضمیری ہے۔ اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں یا معاشرہ ہے۔ ان کے معاملے میں ہمارے اُوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ لوگ ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنی دینداری اور

(۱) اللیل، ۹۲: ۸

پارسائی کے تحفظ میں مصروف رہنا چاہتا ہیں۔ قرآن مجید ایسے نام نہاد دینداروں اور پارساؤں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ جو شخص اپنی ذات اور انفرادی نیکیوں کے گنبد میں محصور رہ کر معاشرے کے دیگر پریشان حال لوگوں کے معاشی تعطّل کو رفع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا بلکہ انہیں اپنے حال پہ چھوڑ کر مستغنی اور بے نیاز رہنا چاہتا ہے تو وہ جان لے کہ اس کا یہ عمل نیکی اور دین کی تصدیق نہیں بلکہ تکذیب ہے اور جس نے نیکی اور دین کی تکذیب کی روش کو اختیار کیا تو وہ عذابِ الٰہی کا مستحق ٹھہرا کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰىۙ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىؕ۝ (۱)

''اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا۝ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)۝''

ایسا رویہ اختیار کرنے والا شخص دائمی خسارہ میں رہتا ہے کیونکہ جس مال کو اس نے سنبھال کر رکھا اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا وہ مال آخرت میں اس کے کسی کام نہ آ سکے گا جہاں اس کو اس مال کی سخت ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس امر کی وضاحت کے ضمن میں قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ۝ (۲)

''اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا۝''

(۶) سورۃ الماعون اور حقیقتِ اِنفاق

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حقیقت میں ''اِنفاق فی المال'' ہی تصدیق و

(۱) اللیل، ۹۲: ۹، ۱۰

(۲) اللیل، ۹۲: ۱۱

تکذیبِ دین کا معیارِ امتیاز ہے۔ ’’سورۃ الماعون‘‘ کا پورا مضمون اِسی امر کی تائیدی شہادت فراہم کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○[1]

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ ○ تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے) ○ اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا) ○ پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے ○ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں) ○ وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں) ○ اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتے ○‘‘

آپ نے مذکورہ بالا سورت کا مضمون اوّل سے آخر تک ملاحظہ فرما لیا۔ اس میں ’’دین کے جھٹلانے والوں‘‘ کی اصل پہچان بیان کی گئی ہے۔ یوں تو بدقسمتی سے ہمارے معاشرے کے اکثر لوگ اور بالخصوص مذہبی لیڈر ایک دوسرے کو یا عام گنہگار مسلمانوں کو ’’مکذِّب بالدین‘‘ یعنی دین کو جھٹلانے والا اور دین سے کفر کرنے والا قرار دیتے ہی رہتے ہیں لیکن اس سورت کے ذریعے ’’تکذیبِ دین‘‘ کا قرآنی معیار بھی جان لیجئے کہ وہ کیا ہے؟

قرآن مجید سوالیہ انداز میں اپنی بات کا آغاز کر رہا ہے کہ ’’کیا آپ نے دین کو

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۱۔ ۷

جھٹلانے والا شخص دیکھا ہے؟ یا کیا آپ جانتے ہیں کہ دین کو جھٹلانے والے کون لوگ ہیں؟'' پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے۔ یہاں تصدیقِ دین اور تکذیبِ دین کے معیار کے طور پر کسی مسلک یا اعتقاد کی بات نہیں کی گئی، توحید اور شرک کے مسائل کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ عقائدِ صحیحہ تو ہر مسلمان کے لئے شرطِ اوّلین ہیں۔ یہاں بات ہو رہی ہے ان لوگوں کی جو مسلمان ہیں۔ عقیدۃً کافر یا ملحد و مشرک نہیں بلکہ نمازی بھی ہیں۔ قرآن مجید یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں اور دینِ حق کے نام نہاد علمبرداروں میں بھی ''دین کے جھٹلانے والے'' موجود ہیں اور وہ کون ہیں؟ ان کی علامات کے طور پر قرآن مجید نے بقیہ آیات بیان کی ہیں۔

فَذَالِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ○

یہاں یتیم کا لفظ بطور علامت (Symbol) استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد تمام خستہ حال لوگ ہیں۔ آیت میں بیان کردہ لوگ وہ ہیں جو معاشرے کے بے سہارا یتیموں سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور ہمدردی و بہی خواہی کی کوئی تڑپ ان کے دلوں میں موجود نہیں ہوتی۔ ''دھکے دینے'' کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے "Status" یعنی معاشرتی حیثیت کے برابر نہ سمجھتے ہوئے خود سے دُور رکھتے ہیں۔ ان سے لاتعلقی، بیگانگی اور کبر و نخوت کا سلوک کرتے ہیں بلکہ اُنہیں معاشرے پر بوجھ تصور کرتے ہیں۔ اس آیت کے ذریعے قرآن مجید نے ایک مخصوص ذہنیت کی نشاندہی کی ہے جو نام نہاد ''بڑے لوگوں'' میں فراوانی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ○

ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ حاجتمندوں اور مسکینوں کی معاشی کفالت کرنے کے لئے نہ خود تیار ہوتے ہیں اور نہ اس کے لئے دوسروں کو تیار کرتے ہیں یعنی ان ضرورت مندوں کو معاشی تعطل سے نجات دلانے کے لئے ''اِنفاق فی المال'' نہیں

کرتے۔ ''وَلَا یَحُضُّ'' میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ ان کی جدوجہد کا رُخ کبھی بھی یہ نہیں ہوتا کہ معاشرے کے اہلِ ثروت افراد کا روّیہ غریب اور بے سہارا لوگوں کی نسبت بدلا جائے۔ ''ترغیب دلانے'' سے مراد یہ ہے کہ اپنے قول و فعل اور سعی و کاوش سے دوسرے لوگوں کو اس امر کا قائل کیا جائے کہ ہمارے مال و دولت میں صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ معاشرے کے دیگر مستحق افراد کا بھی حق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (۱)

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا ○''

جس چیز کو قرآن مجید ایجابی اور وجوبی طور پر ''حق'' سے تعبیر کر رہا ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت اُسے غیر ضروری یا محض نفل و استحباب قرار دے کر اس کی اہمیت کم نہیں کر سکتی۔ ''حق'' اُسے کہتے ہیں جس کا ادا کیا جانا ہر صورت میں ضروری ہوتا ہے۔ اگر دینے والا رضا و رغبت سے کسی کا حق ادا نہ کرے تو حق دار اپنا حق جبراً بھی لے سکتا ہے۔ لیکن اس کی صورت بھی باضابطہ ہوگی، بے ضابطہ نہیں۔ حق تو بہرحال حق ہی ہوتا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے، ادا کرے یا نہ کرے، اس سے اس کی حقیقت متاثر نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی قانون کسی حق دار کو اس کے حق سے محروم گردان سکتا ہے۔ اگر کچھ لوگ اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کی بناء پر جائز طریقے سے اپنی ضروریات کے کفیل نہ ہوسکیں تو ان کی معاشی کفالت کا انتظام ان کا معاشرتی حق ہے جو اہلِ ثروت کے ذمے فرض اور لازم ہے۔ اگر وہ اپنا فرض ادا کریں تو اس میں کسی کا کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ حق دار کو اس کا حق مہیا کیا جا رہا ہوگا۔ ہاں اگر ان کا معاشرتی مقام بلند کرنے کے لئے ان پر زائد از ضرورت کچھ خرچ کیا جائے تو یہ ''فعلِ احسان'' ہوگا جو انسان کو ''انسانِ مرتضٰی'' کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔

گویا جو لوگ نہ اپنے اندر ایسا داعیہ اور عمل رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی تحریک سے

---

(۱) الذّٰریٰت، ۵۱: ۱۹

دوسروں کو خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ رویئے سے ہٹاتے ہیں بلکہ مسکینوں اور سفید پوش محتاجوں کو اسی مجبوری میں گرفتار دیکھ کر بے نیازی سے اپنا وقت گزار رہے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو دین کو جھٹلانے والے ہیں، خواہ وہ بزعم خویش کتنے ہی دین دار بنتے پھریں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○

یہاں قرآن مجید نے ''اَلْمُصَلِّيْنَ'' کی اصطلاح استعمال کر کے ایک اور عقدہ حل کر دیا۔ وہ یہ کہ تکذیبِ دین (یعنی دین کو جھٹلانے) کا فعل ظاہری عبادات کے التزام کے باوجود بھی ہوسکتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کچھ لوگ نماز وغیرہ کا اہتمام بھی کرتے ہوں لیکن اس کے باوجود ان کا طرزِ عمل دینِ حق کو جھٹلانے کے مترادف ہو۔ قرآن حکیم اس امر کی وضاحت بڑے زور دار الفاظ میں کر رہا ہے کہ تباہی اور ہلاکت یا عذابِ آخرت کے حق دار ہیں وہ لوگ جو نماز تو پڑھتے ہیں لیکن نماز کی رُوح ان کے عمل میں نہیں ہوتی یعنی روحِ نماز کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اگر اس جگہ ''هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ'' سے مراد بھولنا بایں معنی ہوتا کہ وہ نماز باقاعدگی سے نہیں پڑھتے یا نماز کو ترک کئے ہوئے ہیں تو ایسے لوگوں کو قرآن مجید کبھی بھی ''المصلّین'' یعنی نمازی کی اصطلاح سے تعبیر نہ کرتا۔ قرآن حکیم کا ان لوگوں کے حق میں ''نمازی'' کا لقب استعمال کرنا اس حقیقت کو صراحت کے ساتھ واضح کر رہا ہے کہ وہ ''فرض صلوٰۃ'' تو ادا کرتے ہیں کیونکہ تارکِ صلوٰۃ کو قرآن مجید ''مصلّی'' نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بالالتزام یعنی باقاعدگی سے نماز نہ پڑھتا ہو تو اسے بھی قرآن ''المصلّین'' (نمازیوں) کے زمرے میں شامل نہیں کرسکتا اور پھر ایسے لوگوں کو ''سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوۃ'' (نماز کو بھولے ہوئے) بھی نہیں کہا جا سکتا۔

''سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوۃ'' کی اصطلاح تقاضا کرتی ہے کہ نماز کو کلیتاً فراموش کر دیا گیا ہو۔

اور ’’المُصلّین‘‘ کی اصطلاح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ لوگ نماز پڑھتے ہوں۔

لہٰذا ’’المُصلّین‘‘ اور ’’سَاھُوْنَ عَنِ الصَّلٰوۃ‘‘ دونوں کا اکٹھا ہونا سوائے اس کے اور کسی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتا کہ ’’وہ ایسے لوگ ہیں جو نماز تو پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود نماز کو فراموش کئے ہوئے ہیں‘‘ اس سے یہ ثابت ہوا کہ نماز پڑھ کر بھی نماز کو بھلایا جا سکتا ہے۔ یہ اس طرح ممکن ہے کہ نماز تو پڑھی جائے لیکن نماز کی اصل روح کو نظر انداز کر دیا جائے۔ الفاظِ قرآنی بھی اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَo الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo[۱]

’’پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o‘‘

اس کا مقصد یہ ہے کہ ’’وہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن نماز ان سے جس چیز اور طرزِ عمل کا تقاضا کرتی ہے اس کو کلیتًا پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں۔‘‘ اسی کو روحِ صلوٰۃ کا فراموش کرنا کہتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی نمازیں بارگاہِ ایزدی میں محض ریاکاری اور دکھلاوا قرار پا گئی ہیں۔

(۷) معاشی بحالی کی جدوجہد ہی روحِ نماز ہے

سوال یہ ہے کہ آخر وہ روحِ نماز کیا ہے؟ جسے فراموش کر کے پڑھی جانے والی تمام نمازیں خدا کے نزدیک ریاکاری بن جاتی ہیں اور بجائے بھلائی یا ثواب کے آخرت میں اذیت ناک عذاب یا تباہی و بربادی کا باعث بن جاتی ہیں؟

اس رُوحِ نماز کو فراموش کرنے کا ذکر قرآن مجید اسی سورت میں پہلے ہی واضح

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۴، ۵

کر چکا ہے۔ ”فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَo وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِo“ یعنی اگر لوگ نماز پڑھ کر یہ سمجھیں کہ ہم نے اپنا فرضِ بندگی اور تقاضائے دین پورا کر دیا درآنحالیکہ وہ اپنے معاشرے کے ضرورت مندوں اور بے سہارا لوگوں کی معاشی پریشانیوں کی کوئی پرواہ نہ کریں اور نہ اُنہیں ابتلاء کی اذیتوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔ قرآن حکیم ان لوگوں کو للکار کر کہہ رہا ہے کہ ”اس طرح فریضۂ بندگی اور تقاضائے دین پورا نہیں ہوسکتا۔ ایسا طرزِ عمل خدا کے نزدیک ’دین کی تکذیب‘ ہے، ایسی نمازیں دکھلاوا اور ریاکاری ہیں اور یہ ریاکارانہ عبادات جنت کا نہیں دوزخ کا باعث ہوں گی۔“

خدا کی ذات تمہاری نمازوں اور دیگر عبادات کی محتاج نہیں اور نہ یہ عبادات مقصود بالذّات ہیں۔ نماز ہو یا کوئی اور عبادت وہ اسی لئے فرض کی جاتی ہے کہ وہ کسی اور اعلیٰ مقصد اور نصب العین کے حصول کا ذریعہ بنے، اگر مقصد نظر انداز ہو جائے اور ذریعہ خود مقصود و مطلوب قرار پا جائے تو اس ذریعے کی اپنی افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے دولت اِنسانی زندگی میں حصولِ آسائش کا ذریعہ ہے۔ اگر مقصدِ آسائش پیشِ نظر نہ رہے اور دولت خود مقصد بن جائے تو اسے ”بخل“ کہیں گے اور ایسی دولت بخیل کے لئے کسی افادیت و منفعت کا باعث نہ رہے گی بلکہ اس شخص کے لئے ایسی دولت کا وجود بھی عذاب بن جائے گا۔ اسی طرح نماز اور دیگر عبادات کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے اِنسانی طرزِ عمل میں انقلاب آئے۔ انسان جس رب کے سامنے سربسجود ہو کر اس کی خالقیت و مالکیت اور اپنی غلامی و بندگی کا اعتراف کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ اب اس کی مخلوق کی خدمت کرے اور اسی کے حکم اور رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں کو آسودگی اور آسائش مہیا کرنے کے لئے خود کو وقف کر دے حتیٰ کہ اپنے وسائلِ دولت بھی سب سے پہلے خلقِ خدا کی معاشی ضروریات پر خرچ کرے۔ دردمندی اور نفع بخشی کے اسی طرزِ عمل کا نام ”عین ایمان اور روحِ نماز“ ہے جس کا ذکر ”نیکی“ کی تعریف میں قرآن مجید کے حوالے سے پہلے ہی کیا جا چکا ہے:

وَ لٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ ...... وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ.(۱)

’’بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے ......اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔‘‘

گویا بندگی یہ ہے کہ انسان کس حد تک اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں سے عملی ہمدردی اور بہی خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر دل میں انسانیت کا یہ درد اور جذبۂ خدمت نہ ہو بلکہ اس کے برعکس زندگی کا طرزِ عمل خود غرضانہ، مفاد پرستانہ اور بہیمانہ ہو تو کوئی عبادت، عبادت نہیں اور نہ کوئی نماز، نماز ہے۔ یہ عمل دکھلاوا اور ریا کاری ہے، جو انسان کو خدا کے قریب کرنے کی بجائے جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔

نماز کی روح اور دینِ نبوی ﷺ کی اصل یہی ہے کہ محبتِ الٰہی میں بندگانِ خدا کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ معاشرے کے بے سہارا اور محتاج لوگوں کی خدمت و کفالت درحقیقت رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی کا باعث ہے اور یہی مقصودِ صلوٰۃ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا عائشة! لا تردي المسكين ولو بشق تمرة يا عائشة! أحبي المساكين وقربيهم فإن الله يقربک يوم القيامة.(۲)

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۱۶۷، رقم: ۱۴۵۳

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵

’’اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو۔ مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کیا کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔‘‘

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: كالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر. (۱)

’’بیوہ عورتوں اور محتاجوں کی خدمت و اعانت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے اور اس نیکو کار کے برابر ہے جو (عمر بھر) ساری رات عبادت کرے اور دن کو روزے رکھے۔‘‘

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

...... ۵۔ مناوي، فيض القدير، ۲: ۱۵۲

۶۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۲۰۷، رقم: ۵۳۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الساعي على الأرملة، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵٦٦۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان على الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸٦، رقم: ۲۹۸۲

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب من خلط في نذره طاعة بمعصية، ۲: ۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳٦۱، رقم: ۸۷۱۷

۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۱۰۰، رقم: ۳۰٦

أنا و كافل اليتيم في الجنة هكذا وأشار بالسبابة والوسطى.(۱)

’’میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا۔‘‘

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر سورۃ الماعون کی تعلیم کو اس طرح دہرایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا○(۲)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○‘‘

اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول یہ تھا:

كان ابن عمر لا يأكل حتى يؤتى بمسكين يأكل معه.(۳)

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مندمل کر کھانا نہ

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الطلاق، باب اللعان وقول الله تعالى والذين يرمون أزواجهم، ۵: ۲۰۳۲، رقم: ۴۹۹۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان على الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۷، رقم: ۲۹۸۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۵، رقم: ۸۸۶۸

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۰۷، رقم: ۴۶۰

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۲

(۲) الدهر، ۷۶: ۸

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

کھاتا آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

(۸) غرباء کے معاشی حقوق کی ادائیگی اَصل دین داری ہے

جس طرح اوپر بیان ہو چکا ہے کہ روحِ نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا، ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہے اور یہی عمل اصلِ دین ہے۔

۱۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُO فَکُّ رَقَبَةٍO اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍO یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍO اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍO ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِO اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِO وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِO(۱)

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےO وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےO یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطّل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)O قرابت دار یتیم کوO یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہےO پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیںO یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیںO اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب)

(۱) البلد، ۹۰: ۱۲۔ ۱۹

ہیں o"

مذکورہ بالا آیات نے "العقبۃ" (دینِ حق کی پیروی کا وہ اصل راستہ جو شہادت گہِ الفت ہے) کے عنوان سے جس عمل کا ذکر کیا ہے وہ صرف اور صرف ضرورت مندروں اور محتاجوں کے معاشی ابتلاء و تعطل کو دور کر کے انہیں زندگی میں آسودگی و آسائش مہیا کرنا ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی جدوجہد جاری رکھ سکیں۔ بالآخر اسی عمل کو شرطِ ایمان قرار دے کر صبر و تحمل اور باہمی مودت و رحمت کی تلقین کی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو "اصل دیندار اور جنتی" قرار دیا گیا ہے جبکہ اس طرزِ عمل اور ہدایاتِ ربّانی سے انکار و انحراف کرنے والوں کو بے دین اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح قوم ثمود کی تباہی و ہلاکت کو بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید "سورۃ الماعون" کے مضمون کو پھر دہراتا ہے جس سے بے دینی کے قرآنی تصور کا اندازہ ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَo وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِo وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّاo وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo(۱)

"یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے o اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو o اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے) o اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو o"

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قومِ ثمود کی تباہی کا

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۷۔ ۲۰

باعث قرار دیا ہے۔

وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ○

سورۃ الماعون میں ''دین کو جھٹلانے والوں'' کی آخری علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی دسیسہ کاری کا یہ عالم ہے کہ وہ گھر کے برتنے کی معمولی چیزیں بھی اپنی ذات تک روک رکھتے ہیں۔ ان سے استفادہ و استعمال میں دوسروں کو شریک نہیں ہونے دیتے۔ یہاں عام نفع بخشی اور فیض رسانی کا تصور اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ قرآن مجید نے انسانی بہبود اور مفادِ عامہ کا وہ دینی ضابطہ مہیا کیا ہے کہ اشتراکیت سمیت دنیا کا کوئی اور نظامِ معیشت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اشتراکیت تو صرف ''ذرائع پیداوار'' کو مشترکہ عوامی افادیت کی چیز بنانا چاہتی ہے اور جہاں تک ذاتی استعمال کی چیزوں یعنی اشیائے صرف کا تعلق ہے، ان میں ہر مالک کو مکمل آزادی اور غیر مشروط و غیر محدود تصرف کا حق دیتی ہے لیکن اسلام تصورِ انفاق کی صورت میں دین کا جو وجوبی ضابطہ عطا کرتا ہے۔ اس میں اشیائے صرف یعنی گھر کے استعمال کی چیزوں میں بھی دوسروں کو حقِ انتفاع دیتا ہے۔ کوئی مالک ان اشیاء کی ملکیت بھی اس طرح غیر محدود اور غیر مشروط نہیں رکھ سکتا کہ دوسروں کی ضرورت کے باوجود انہیں ان سے محروم رکھا جا سکے بلکہ ایسا طرزِ عمل قرآن مجید کے واضح اعلان کے مطابق تکذیبِ دین ہے جسے سادہ لفظوں میں اسلام کے ساتھ کفر کہا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل وشواہد کے مطابق اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل باقی نہیں رہنا چاہیے کہ ''انفاق فی المال'' ہی حقیقت میں تصدیقِ دین اور اس کا ترک تکذیبِ دین ہے۔ لہٰذا انفاق فی المال ہی رضائے الٰہی کے لئے عملی اساس کا درجہ رکھتی ہے۔

(۹) عملِ اِنفاق ہی رضائے اِلٰہی کی حقیقی اَساس ہے

اس اٹل اور ناقابلِ تردید حقیقت کو قرآن مجید نے ایک شاندار تمثیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○[1]

’’اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و اطاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر اسے زور دار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے○‘‘

اس آیت نے موضوعِ متذکرہ کی صحت و حقانیت پر مزید مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ مدعائے آیت یہ ہے کہ جس طرح مرطوب آب و ہوا کے کسی علاقے میں اونچائی پر واقع باغ، بارش ہو یا نہ ہو، ہر حال میں پھل دیتا ہے اسی طرح ’’انفاق فی المال‘‘ تھوڑا ہو یا زیادہ ہر صورت میں رضائے الٰہی کا پھل لاتا ہے۔ رضائے الٰہی کے حصول کی حتمی ضمانت جس انداز سے ’’عملِ انفاق‘‘ کے نتیجے میں بیان کی گئی ہے کسی اور عمل کے نتیجے میں نہیں کی گئی۔ اس تمثیل کے ذریعے دراصل یہ واضح کیا گیا ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص رضائے الٰہی کی خاطر ’’انفاق‘‘ کرے اور اسے بالیقین رضائے الٰہیت کا ثمر نصیب نہ ہو۔ گویا ’’انفاق فی المال‘‘ اور ’’رضائے الٰہی‘‘ دونوں لازم و ملزوم ہیں یا ’’شرط‘‘ اور ’’صلہ‘‘ ہیں۔ اگر مطلوبہ شرط پوری کی جائے تو صلہ بہرصورت میسر آ کر رہے گا۔

قرآنِ مجید نے اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں بیان کیا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۵

رَحۡمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○ وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ وَ اَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ○ (۱)

''اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○ اور مہاجرین اور ان کے مددگار (انصار) میں سے سبقت لے جانے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے اور درجۂ احسان کے ساتھ اُن کی پیروی کرنے والے، اللہ ان (سب) سے راضی ہوگیا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی زبردست کامیابی ہے ○''

پہلی آیت نے ''انفاق فی المال'' کو ایجابی طور پر قربِ الٰہی اور قرب و رضائے رسول ﷺ کا باعث قرار دیا ہے اور دوسری آیت نے اس عمل کو احسان کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے رضائے الٰہی کی حقیقی اساس قرار دیا ہے۔

ماحصل

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حیاتِ انسانی کا اصل نصب العین اور مقصدِ وحید رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس کے لئے تحریک ''تزکیۂ نفس کی آرزو'' کی صورت میں شروع ہوتی

(۱) التوبة، ۹: ۹۹، ۱۰۰

ہے اور اس کا حصول ’’فعلِ احسان‘‘ سے ہوتا ہے لیکن فعلِ احسان کی واحد عملی اساس اور حقیقی صورت ’’انفاق فی المال‘‘ ہے، اس کے بغیر نہ ’’احسان‘‘ کا کوئی مفہوم باقی رہتا ہے اور نہ حصولِ نصب العین کی کوئی سبیل۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ’’انفاق فی المال‘‘ کی اہمیت و مقام کو سمجھتے ہوئے اس کو اپنی روزمرہ زندگی کے امور کا حصہ بنائیں۔

(۱۰) اِنفاق فی المال کے معاشی ثمرات

انفاق فی المال جہاں قربِ الٰہی، جذبۂ ایثار، حصولِ تقویٰ، علامتِ ایمان، طہارت و پاکیزگی، خیر و برکت، عمر میں اضافہ اور مصائب سے نجات دلاتا ہے وہاں اس کے معاشی ثمرات بھی بے حساب ہیں۔ ذیل میں ہم انفاق فی المال کی معاشی اہمیت و ثمرات کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ امیر اور غریب کے درمیان خلیج کم ہو جاتی ہے۔

Decreasing the gap between Haves and Have-nots

۲۔ امیر اور غریب کے درمیان کشمکش، نفرت، عناد اور فساد کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

Removal of the rift between the Rich and the Poor

۳۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی خاطر غرباء اور مساکین وغیرہ پر خرچ کرنے والا فضول خرچی نہیں کرتا۔

Discouraging prodigality

۴۔ انفاق فی المال کے ذریعے تقسیمِ دولت میں توازن اور نظم پیدا ہوتا ہے۔

Balance and Discipline in the Distribution of Wealth

۵۔ احتکار اور اکتناز کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

Discouraging Accumulation and Hoarding

۶۔ ملک سے بے روزگاری (Unemployment) دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۷۔ حاجت مندوں کی کفالت کا بندوبست ہو جاتا ہے۔

۸۔ پیشہ ور گداگری، دوسروں پر بوجھ بننا اور معاشی جدوجہد سے اجتناب کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

۹۔ معیشت میں دولت کی گردش (Circulation of Wealth) سے اشیاء اور خدمات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور تجارت کے فروغ کی وجہ سے معاشی ترقی (Economic Development) کا حصول آسان اور یقینی ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ جب نادار، ضرورت مند اور معاشی استحصال کا شکار افراد کو روزگار ملتا ہے تو نہ صرف معاشی مثبت نتائج سامنے آتے ہیں بلکہ معاشرہ سے بہت سی معاشرتی برائیاں (چوری، ڈاکہ زنی، رہزنی، نفرت، حسد، قتل و غارت وغیرہ) بھی ختم ہو جاتی ہیں اور ملک معاشی ترقی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔

www.MinhajBooks.com

باب ششم

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(المائدة، ۵: ۲)

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

(متفق عليه)

اِسلامی معیشت میں اِمدادِ باہمی اور کفالتِ عامّہ کا نظام

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

اِمدادِ باہمی (Mutual Cooperation)

اسلام سلامتی کا دین ہے اور اس کا عطا کردہ تصورِ فلاح و بہبود صرف نظریہ و عقیدہ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملاً ایک نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مثالی اسلامی مملکت میں افرادِ معاشرہ کی سلامتی و فلاح کو یقینی بنانے کے لئے اسلام امدادِ باہمی اور کفالتِ عامہ کا تصور دیتا ہے۔ امدادِ باہمی سے مراد ''افرادِ معاشرہ کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہے۔'' حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

خير الناس أنفعهم للناس. (۱)

''لوگوں میں سے بہترین وہ شخص ہے جو ان میں سے (عام) لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔''

منفعت فراہم کرنے سے مراد ہر شعبۂ زندگی میں دوسروں کی مدد و تعاون بھی ہے۔ خلقِ خدا ایک دوسرے سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جڑی ہوئی ہے۔ امدادِ باہمی اور تعاون کے بغیر معاشی و معاشرتی استحکام کے مفقود ہونے کا خطرہ ہوتا ہے لہٰذا اسلام نے امداد باہمی کا تصور دے کر افراد میں تعاون، اخوت، عزت و احترام اور خوشحال زندگی گزارنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔

کفالتِ عامہ سے مراد اسلامی مملکت میں آباد ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام ہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، رہائش، علاج اور وہ سب کچھ شامل ہے جن کی فراہمی پر انسان کی زندگی کی بقاء کا انحصار ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۶: ۵۸، رقم: ۵۷۸۷

۲۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۸، رقم: ۱۲۹

امدادِ باہمی کے فروغ کو قرآن حکیم نے ایک اصول اور قانون کے طور پر بیان فرمایا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.[1]

''اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

یہ آیتِ مبارکہ اخلاقی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو محیط ہے۔ ''تقویٰ'' اور ''اثم'' یعنی پرہیزگاری اور گناہ کا تعلق زندگی کے اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں سے، جبکہ ''برّ'' اور ''عدوان'' کا تعلق زندگی کے معاشرتی اور معاشی پہلوؤں سے ہے۔ ذیل میں ان امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ ان کی معنوی وسعت آشکار ہو سکے:

۱۔ تقویٰ

ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ○[2]

''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ تم اس کے حضور پیش ہونے والے ہو، اور (اے حبیب!) آپ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنا دیں (کہ اللہ کے حضور ان کی پیشی بہتر رہے گی)○''

۲۔ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ○[3]

''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے○''

(۱) المائدۃ، ۵: ۲

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۲۳

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۳۳

۳۔ وَاتَّقُوا اللهَ وَاسْمَعُوْا ط وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○[۱]

’’اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو غور سے) سنا کرو، اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○‘‘

۲۔ اِثم

ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ.[۲]

’’فرما دیجئے کہ میرے ربّ نے (تو) صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں (سب کو) اور گناہ کو۔‘‘

۲۔ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ○[۳]

’’اور وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں ○‘‘

۳۔ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ.[۴]

’’جو لوگ چھوٹے گناہوں (اور لغزشوں) کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔‘‘

اگرچہ ’’تقویٰ‘‘ اور ’’اِثم‘‘ کا تعلق زندگی کے مذہبی اور اخلاقی پہلوؤں سے ہے

(۱) المائدۃ، ۵: ۱۰۸

(۲) الاعراف، ۷: ۳۳

(۳) الشوریٰ، ۴۲: ۳۷

(۴) النجم، ۵۳: ۳۲

مگر قرآن حکیم کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو بھی اس سے الگ نہیں کیا:

۴۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ○ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَ○[1]

''(قرآن مجید) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے○ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں○''

ان آیات مبارکہ میں مذہبی عقائد و احکام کے ساتھ معاشی زندگی کی اصلاح (انفاق فی سبیل اللہ) کو متقی لوگوں کی صفت بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم نے کئی مقامات پر ''اثم'' کو زندگی کے معاشرتی اور معاشی پہلوؤں پر بھی محیط قرار دیا ہے:

۵۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَـكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○[2]

''اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)○''

۶۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ○[3]

''اور تم گواہی کو چھپایا نہ کرو، اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل

(۱) البقرة، ۲: ۲، ۳

(۲) البقرة، ۲: ۱۸۸

(۳) البقرة، ۲: ۲۸۳

گنہگار ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہےo‘‘

۷۔ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ کَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا.(۱)

’’آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں فرما دیں: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ (دنیوی) فائدے بھی ہیں مگر ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔‘‘

۳۔ برّ

ارشادِ ربّانی ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِيّنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهِ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰکِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَo(۲)

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۹

(۲) البقرة، ۲: ۱۷۷

کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○‘‘

اس آیۂ مبارکہ میں نیکی کا جو تصور دیا گیا ہے وہ زندگی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے:

عقائد: ایمان باللہ، ایمان بالرسالت والکتب اور ایمان بالآخرت

اعمال: قیامِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ

معاشرتی وظائف: رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلین کی معاشی کفالت نیز زندگی کے ہر قدم پر مذکورہ بالا دستورِ حیات پر استقامت کے ساتھ کاربندی۔

۴۔ عدوان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ **ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.** (۱)

’’پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کر رہے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے باہر نکال رہے ہو اور (مستزاد یہ کہ) ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کے ساتھ (ان کے دشمنوں کی) مدد بھی کرتے ہو۔‘‘

۲۔ **وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○** (۲)

(۱) البقرۃ، ۲: ۸۵

(۲) المائدۃ، ۵: ۶۲

اور آپ ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھیں گے جو گناہ اور ظلم اور اپنی حرام خوری میں بڑی تیزی سے کوشاں ہوتے ہیں۔ بیشک وہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت بُرا ہے٭‘‘

اس وضاحت سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ برّ اور تقویٰ میں باہمی تعاون ہے یہ تصور زندگی کے ہر دائرے تک پھیلا ہوا ہے۔ ہم تعاون کی اس تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ باہمی معاشرتی تعاون (Mutual Social Cooperation)

۲۔ باہمی معاشی تعاون (Mutual Economic Cooperation)

۱۔ اِسلام میں باہمی معاشرتی تعاون

اسلام کے باہمی معاشرتی تعاون کا اصول قرآن و سنت کی مختلف نصوص سے واضح ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ. (۱)

’’بے شک (سب) اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے مؤمنین کے اسی بھائی چارے کو ایک جسم کی مانند قرار دیتے ہوئے باہمی معاشرتی تعاون کی وضاحت یوں فرمائی:

ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى. (۲)

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

←

’’تم مؤمنین کو آپس میں مہربانی، شفقت اور لطف و کرم میں ایسے دیکھو گے جیسے کوئی جسم کہ جب اس میں کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم (تکلیف میں مبتلا ہو کر) بے خوابی اور بخار کو دعوت دیتا ہے۔‘‘

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضاً وشبک أصابعه. (۱)

...... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۷۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۶۹، رقم: ۲۳۳

۵۔ بیهقي، السنن الکبری، ۳: ۳۵۳، رقم: ۶۲۲۳

۶۔ عسقلاني، فتح الباري، ۱۰: ۴۳۹، رقم: ۵۶۶۴

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، أبواب المساجد، باب تشبیک الأصابع في المسجد وغیره، ۱: ۱۸۲، رقم: ۴۶۷

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲: ۸۶۳، رقم: ۲۳۱۴

۳۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأداب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضاً، ۵: ۲۲۴۲، رقم: ۵۶۸۰

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵

۵۔ ترمذي، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في شفقة المسلم علی المسلم، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸

۶۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۶: ۱۶۳، رقم: ۳۰۳۴۸

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۰۴، رقم: ۱۹۶۲۴

۸۔ أبو یعلی، المسند، ۱۳: ۲۷۹، رقم: ۷۲۹۵

←

''ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے ایسے ہے کہ جیسے عمارت جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں آپس میں گتھ لیں۔''

یہ ارشادِ نبوی ﷺ بھی باہمی معاشرتی تعاون کی دلیل ہے:

لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه. (۱)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

باہمی معاشرتی تعاون کی اَقسام

باہمی معاشرتی تعاون کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۶۷، رقم: ۲۳۱

۱۰۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۸۷

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، ۱: ۱۴، رقم: ۱۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من خصال الإیمان أن یحب لأخیه المسلم ما یحب لنفسه من الخیر، ۱: ۶۷، رقم: ۴۵

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، باب ۵۹، ۴: ۶۶۷، رقم: ۲۵۱۵

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الإیمان وشرائعه، باب علامة الإیمان، ۸: ۱۱۵، رقم: ۵۰۱۶

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۶، رقم: ۱۲۸۲۴

(ا) باہمی سیاسی تعاون

اسلام میں ہر شہری کا سیاسی حق ہے کہ وہ حکمرانوں کا محاسبہ کرے اور انہیں مشورہ دے کیونکہ حکمران اُمت کے مستقبل کے ذمہ دار ہیں اس بنیاد پر معاشرہ اچھی سیاست کے فروغ کے لیے باہمی تعاون اور فساد و انحراف کا قلع قمع کرنے کا پابند ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته.(1)

''تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی اس بات کی تائید کرتا ہے:

المسلمون تتكافأ دماؤهم يسعى بذمتهم أدناهم ويجير عليهم أقصاهم وهم يد على من سواهم.(2)

''تمام مسلمانوں کے خون (کی حرمت) برابر ہے اور ان کی ذمہ داری پوری

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجمعة، باب الجمعة في قرى والمدن، ۱: ۳۰۴، رقم: ۸۵۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الجهاد، باب ما جاء في الإمام، ۴: ۲۰۸، رقم: ۱۷۰۵

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في السرد ترد على أهل العسكر، ۳: ۸۰، رقم: ۲۷۵۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الديات، باب المسلمون تتكافأ دماؤهم، ۳: ۸۹۵، رقم: ۲۶۸۳

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

کرنے کے لئے ان میں سے ادنیٰ بھی کوشش کرتا ہے، ان پر معاہدۂ امن کو پورا کرنا لازم ہے اور وہ دوسروں کے لئے باعثِ قوت ہیں۔‘‘

فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب کوئی بھی مسلمان کسی کو پناہ اور امان دے تو اس کا یہ عمل حکومت کے لئے بھی قابلِ احترام ہو گا اور وہ اس کی پابندی کرے گی خواہ پناہ دینے والا عالم ہو یا جاہل، مضبوط ہو یا ضعیف، مرد ہو یا عورت، سوائے اس صورت کے کہ اس کا یہ عمل مملکت کے مفادات کے خلاف ہو۔

اس کی تائید ہمیں اس واقعہ سے ملتی ہے کہ حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ میں ایک مشرک کو پناہ دی تو ان کے بھائی نے اسے پکڑ کر قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا نے یہ مسئلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قد أجرنا من أجرت يا أم هاني.(۱)

’’اے اُم ھانی! جسے تو نے پناہ دی اُسے ہم نے بھی پناہ دی۔‘‘

(۲) باہمی دفاعی تعاون

اسلامی مملکت کے ہر شہری کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دوسرے شہری بھائیوں کے ساتھ باہمی دفاعی تعاون کرے اور مملکت پر حملہ کرنے والوں کے خلاف سینہ

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، أبواب الصلاة في الثياب، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به، ۱: ۱۴۱، رقم: ۳۵۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب الصلاة الضحى، ۱: ۴۹۸، رقم: ۳۳۶

۳۔ مالك، الموطأ، كتاب قصر الصلاة في السفر، باب الصلاة الضحى، ۱: ۱۵۲، رقم: ۳۵۶

سپر رہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا.(۱)

’’تم ہلکے اور گراں بار (ہر حال میں) نکل کھڑے ہو۔‘‘

ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ باہمی دفاعی تعاون میں دشمن پر حملہ آور ہو البتہ کوئی مریض ہو یا نابینا، اپاہج ہو یا معذور تو اس صورت میں اس پر حملہ واجب نہیں ہے۔ اسلام میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے باہمی دفاعی تعاون ضروری قرار دیا ہے۔ اس طرح ہمیں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ ہم دنیاوی مفاد کی خاطر باہمی مقاتلہ کا ارتکاب نہ کریں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

إذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول في النار.(۲)

’’جب دو مسلمان آپس میں تلوار لے کر مقابلہ کریں (اور ان میں سے کوئی قتل ہو جائے تو) قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔‘‘

---

(۱) التوبة، ۹: ۴۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإیمان، باب وإن طائفتان من المسلمین اقتتلوا فأصلحوا بینهما فسماهم المؤمنین، ۱: ۲۰، رقم: ۳۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسیفیهما، ۴: ۲۲۱۴، رقم: ۲۸۸۸

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الفتن والملاحم، باب في النهي عن القتال في الفتنة، ۴: ۱۰۳، رقم: ۴۲۶۸

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب إذا التقی المسلمان بسیفیهما، ۲: ۱۳۱۱، رقم: ۳۹۶۴

امتِ مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ قتل و غارت سے اجتناب کرے۔ قرآنِ مجید نے اس سے سختی سے منع کیا ہے:

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا‌ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ‌ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ○ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ.(۱)

”اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو اُن کے درمیان صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ رجوع کر لے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے○ بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو۔“

(۳) باہمی تعزیری تعاون

جب کوئی شخص کسی کو قتل کرے اور قاتل نامعلوم ہو تو شرعی اَحکام کے مطابق اس جگہ کو دیکھا جائے جہاں مقتول کی نعش پائی گئی ہے اور مقتول کے وارث اس جگہ رہنے والے پچاس آدمیوں سے قسم لیں کہ وہ قاتل کو نہیں جانتے اور نہ ہی انہوں نے اسے پناہ دی ہے۔ جب وہ قسم اٹھا لیں تو ایسی صورتحال میں دیت اہلِ علاقہ (جہاں قتل ہوا ہے) یا جن لوگوں نے قسمیں کھائیں، ان سے وصول کی جائے گی کیونکہ شریعت نے مقتول کی دیت ادا کرنے کا حکم دیا ہے جو کہ مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی۔

(۱) الحجرات، ۴۹: ۹، ۱۰

اِمام سرخسی لکھتے ہیں:

إذا وجد الرجل قتيلًا في محلة قوم، فعليهم أن يقسم منهم خمسون رجلًا، بالله ما قتلناه ولا علمنا له قاتلًا، ثم يغرمون الدية.[1]

''جب کوئی آدمی کسی مقتول (کی نعش) کو کسی ایسے علاقے سے پائے جہاں لوگ رہتے ہوں تو ان (علاقے والوں) پر لازم ہے کہ ان میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ بخدا انہوں نے اس آدمی کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی قاتل کو جانتے ہیں، پھر وہ دیت دیں گے۔''

اگر وہ لوگ دیت ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تو بیت المال سے دیت ادا کی جائے گی۔ یہ حکم ہر اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے جہاں دیت واجب ہوتی ہے اور قاتل یا اس کا خاندان دیت ادا نہیں کرسکتا تو ایسی صورت میں بیت المال پر دیت کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے کہ وہ قاتل کی جگہ اسے ادا کرے۔

دیت کا بیت المال کی طرف سے ادا کیا جانا مقتول کے خاندان کے ساتھ باہمی تعاون کی ایک صورت ہے جو قانونی سزا کے دیئے جانے میں ہوتا ہے۔

(۴) باہمی اخلاقی تعاون

اسلام معاشرے کو عام اخلاقی قدروں کا محافظ سمجھتا ہے، اس کی وجہ سے معاشرے کے لئے لازم ہے کہ وہ اخلاقی قدروں کو پامال کرنے والوں کو برا جانے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے باہمی اخلاقی تعاون کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ **مثل القائم على حدود الله والواقع فيها كمثل قوم استهموا**

(۱) سرخسي، المبسوط، ۲۶: ۱۰۹

علی سفینة فأصاب بعضهم أعلاها وبعضهم أسفلها فكان الذين في أسفلها إذا استقوا من الماء مرّوا على من فوقهم فقالوا: لو أنا خرقنا في نصيبنا خرقًا ولم نؤذ من فوقنا فإن يتركوهم وما أرادوا هلكوا جميعًا وإن أخذوا على أيديهم نجوا ونجوا جميعًا.(۱)

’’اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والے اور اس کو توڑنے والے کی مثال اس قوم کی سی ہے جس نے سوار ہونے کے لئے قرعہ ڈالا۔ بعض کے نامے اوپر والے حصہ میں آئے اور بعض کے نچلے حصہ میں۔ جو لوگ نچلے حصے میں تھے انہیں (دریا سے) پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان (نیچے والوں) نے کہا: اگر ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیں تو اوپر والوں کو تکلیف دینے سے بچ جائیں گے۔ اب اگر اوپر والوں نے، چھوڑ دیا (کہ وہ سوراخ کر لیں) تو سارے کے سارے ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو خود بھی نجات پائی اور سب کو بھی بچا لیا۔‘‘

ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ میں اخلاقی تعاون کی دوسری مثال کچھ یوں ہے:

۲۔ من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان.(۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب هل يقرع في القسمة والاستهام فيه، ۲: ۸۸۲، رقم: ۲۳۶۱

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الفتن، باب ۱۲، ۴: ۴۷۰، رقم: ۲۱۷۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، ۱: ۶۹، رقم: ۴۹

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ۴: ۱۲۳، ←

”تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے اپنی زبان سے برا کہے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو اسے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کی ضعیف ترین حالت ہے۔“

(۵) باہمی علمی تعاون

حضور نبی اکرم ﷺ نے عالم پر لازم کیا ہے کہ وہ جاہل کو پڑھائے اور جاہل پر فرض ہے کہ وہ عالم سے سیکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

العالم والمتعلم شريكان في الأجر ولا خير في سائر الناس. (۱)

”عالم اور متعلم دونوں اجر میں برابر کے شریک ہیں جبکہ باقی لوگوں میں کوئی خیر نہیں۔“

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے مسلمانوں کی بھلائی کی تعریف کی پھر فرمایا:

ما بال أقوام لا يفقهون جيرانهم، ولا يعلمونهم، ولا يعظونهم، ولا يأمرونهم، ولا ينهونهم، وما بال أقوام لا يتعلمون من جيرانهم، ولا يتفقهون، ولا يتعظون، والله ليعلمن قوم جيرانهم، ويفقهونهم، ويعظونهم، ويأمرونهم، وينهونهم، وليتعلمن قوم من

------ رقم: ۴۳۴۰

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان، ۸: ۱۱۱، رقم: ۵۰۰۸

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ۱: ۸۳، رقم: ۲۲۸

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۲۲، رقم: ۴۹۳

جيرانهم، ويتفقهون، ويتعظون أو لأعاجلنهم العقوبة.(۱)

’’اس قوم کا کیا حال ہو گا جو اپنے پڑوسیوں کو نہ تو سمجھاتے ہیں، نہ پڑھاتے ہیں، نہ نصیحت کرتے ہیں، نہ انہیں (نیکی کا) حکم دیتے ہیں اور نہ انہیں (برائی سے) منع کرتے ہیں۔ اور اس قوم کا کیا حال ہو گا جو نہ تو اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کرتے ہیں، نہ ان سے سمجھتے ہیں اور نہ ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں بخدا! قوم اپنے پڑوسیوں کو ضرور تعلیم دے، سمجھائے، انہیں نصیحت کرے اور (نیکی کا) حکم دے اور (برائی سے) روکے۔ اور قوم کو اپنے پڑوسیوں سے ضرور سیکھنا چاہیے اور ان سے مسائل سمجھنے چاہئیں، یا پھر میں انہیں جلد سزا دوں گا۔‘‘

۲۔ اِسلام میں باہمی معاشی تعاون

اسلام نے لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر کرنے پر بڑی توجہ دی ہے اور ان کے مال و دولت کے ضائع ہونے اور فضول خرچ ہو جانے سے حفاظت کی ہے۔ اسی لیے فضول جگہوں پر مال استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا حکومت پر واجب ہے کہ وہ ارتکازِ دولت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرے اور ان کے جمع شدہ اموال کو مناسب قیمت اور معقول منافع کے ساتھ پبلک میں تقسیم کر دے۔

اسی طرح حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اموال میں تصرف کرنے سے منع کرے جو پاگل، کم عقل، بے وقوف اور اسراف و تبذیر کرنے والے ہوں اور یہ ممانعت اس وقت تک رہے جب تک ان کا پاگل پن اور بے وقوفی زائل نہیں ہو جاتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيٰمًا.(۲)

(۱) ۱۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۷۱، رقم: ۲۰۴

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۴، رقم: ۷۴۸

(۲) النساء، ۴: ۵

”اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔“

باہمی معاشی تعاون پر چند اَحادیث

۱۔ حضرت ابوموسیٰ ﷜ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة، جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية فهم مني وأنا منهم.(۱)

”جب دورانِ جنگ اشعریوں کا کھانا ختم ہوگیا یا مدینہ میں قیام کے دوران ان کے اہل و عیال کے لئے کھانا کم پڑ گیا تو انھوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا اسے ایک کپڑے میں جمع کیا، پھر اسے ایک برتن سے برابر برابر آپس میں تقسیم کر دیا، (اسی لیے) وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔“

۲۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحابِ صفہ غریب تھے جن کے پاس بعض اوقات کھانے کو بھی نہ ہوتا تھا ان کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، ومن كان عنده طعام

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين﷡، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۱۳۲
۴۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۱: ۲۳۲، رقم: ۸۸۸
۵۔ مناوي، فيض القدير، ۳: ۱۸۰

أربعة فليذهب بخامس أو سادس.(۱)

’’جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہو اسے چاہیے کہ وہ اس میں تیسرے کو بھی شامل کرے اور اگر چار کا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں پانچویں یا چھٹے بندے کو بھی شامل کرے۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طعام الاثنين كافي الثلاثة وطعام الثلاثة كافي الأربعة.(۲)

’’دو افراد کا کھانا تین کے لئے کافی ہے اور تین افراد کا کھانا چار کے لئے کافی ہے۔‘‘

۴۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ۳: ۱۳۱۲، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، ۱: ۲۱۷، رقم: ۵۷۷

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۷، رقم: ۲۰۵۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۷، رقم: ۱۷۰۲

۵۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۲، رقم: ۸۳۹۸

۶۔ عجلونی، كشف الخفاء، ۲: ۵۱ رقم: ۱۶۵۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام القليل وأن طعام الاثنين يكفي الثلاثة ونحو ذلك، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

طعام الواحد يكفي الاثنين، وطعام الاثنين يكفي الأربعة، وطعام الأربعة يكفي الثمانية.(۱)

''ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہوتا ہے، دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہوتا ہے۔''

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ليس بالمؤمن الذي يبيت شبعانًا و جاره جائع إلى جنبه.(۲)

''وہ مؤمن نہیں جس نے خودتو شکم سیر ہو کر رات بسر کی اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہا۔''

۶۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المؤاساة في الطعام القليل وأن الطعام الاثنين يكفي الثلاثة ونحو ذلك، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في طعام الواحد يكفي الاثنين، ۴: ۲۶۷، رقم: ۱۸۲۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، ۲: ۱۰۸۴، رقم: ۳۲۵۴

۴۔ دارمي، السنن، ۲: ۱۳۶، رقم: ۲۰۴۴

۵۔ بزار، المسند، ۱: ۲۴۰، رقم: ۱۷۷

۶۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵۹، رقم: ۷۴۴۴

۷۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۳۰۸

(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۶

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۵۹، رقم: ۷۵۱

فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل.(۱)

''جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مال کی بہت سی اقسام بیان کیں حتی کہ ہم نے محسوس کیا کہ زائد مال میں سے ہمارا کوئی حق نہیں۔''

۷۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أنزل الله بقوم عذابًا، أصاب العذاب من كان فيهم، ثم بعثوا على أعمالهم.(۲)

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو یہ عذاب ہر اس شخص پر پہنچتا

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۲۶، رقم: ۱۰۶۴

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الفتن، باب إذا أنزل الله بقوم عذابًا، ۶: ۲۶۰۲، رقم: ۶۶۹۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالى عند الموت، ۴: ۲۲۰۶، رقم: ۲۸۷۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۰، رقم: ۴۹۸۵

۴۔ أبو يعلى، المسند، ۹: ۴۳۰، رقم: ۵۵۸۲

۵۔ قضاعي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۲۵۳، رقم: ۹۷۸

ہے جو اس قوم میں سے ہوتا ہے، پھر ان کو ان کے اعمال کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔‘‘

۸۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من مات وعليه صيام صام عنه وليه. (۱)

’’جو شخص فوت ہو جائے درآنحالیکہ اس پر روزہ فرض تھا تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔‘‘

۹۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ میرے پاس سے گزرے جبکہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر فرمایا:

أعمم ولا تخص فإن بين الخصوص والعموم كما بين السماء والأرض. (۲)

’’اے میرے چچا زاد بھائی! اس دعا کو عام کرو (یعنی فقط اپنے لئے رحم طلب نہ کرو بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شامل کرو) خاص نہ کرو کیونکہ خاص اور عام میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین اور آسمان کے مابین ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصوم، باب من مات وعليه الصوم، ۲: ۶۹۰، رقم: ۱۸۵۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصوم، باب قضاء الصيام على الميت، ۲: ۸۰۳، رقم: ۱۱۴۷

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الصوم، باب فيمن مات وعليه صيام، ۲: ۳۱۵، رقم: ۲۴۰۰

(۲) ۱۔ هندي، كنز العمال، ۲: ۸۵، رقم: ۳۲۵۹

۲۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۶، رقم: ۲۱۶۳

۱۰۔ عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومتِ وقت پر کس حد تک عائد ہوتی ہے اس کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے ہوتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سننے کے بعد ارشاد فرمایا:

إني حريص على أن لا أرى حاجة إلا سددتها، ما أتسع بعضنا لبعض، فإذا عجز ذلک عنا تأسينا في عيشنا حتى نستوي في الكفاف، ولوددت أنكم علمتم من نفسي مثل الذي وقع فيها لكم، ولست معلمكم إلا بالعمل، إني والله لست بملک فاستعبدكم، ولكني عبد الله عرض عليّ الأمانة فإن ابيتها ورددتها عليكم واتبعتكم حتى تشبعوا في بيوتكم وترووا سعدت بكم، وإن أنا حملتها واستتبعتكم إلى بيتي شقيت بكم، ففرحت قليلًا وحزنت طويلًا، فبقيت لا أقول ولا أرد فأستعتب. (۱)

’’مجھے اسی بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی (تمہاری) کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کروں، جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیارِ زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (خلافت و حکومت کی) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری امانت سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کردوں اور (تمہاری خدمت و

(۱) ابن كثير، البداية والنهاية، ۷: ۴۶

ادائے حقوق کے لئے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے سبب میرا انجام خراب ہوگا۔ (دنیا میں) کچھ عرصے خوشی منالوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا اور میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کرسکوں۔‘‘

www.MinhajBooks.com

کفالتِ عامہ

لفظ کفالت ذمہ داری، ضمانت، بار اٹھانا کے معانی میں اردو اور عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کفالتِ عامہ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

’’اسلامی ریاست کے تمام باشندگان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا اہتمام کرنا۔ ان بنیادی ضروریات میں خوراک، لباس، رہائش، تعلیم، علاج اور انصاف خصوصی طور پر شامل ہیں۔‘‘

کفالتِ عامہ کی اہمیت قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اسلامی ریاست کے اولوا الامر حضرات کو کفالتِ عامہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ مثلاً:

من ولاہ اللہ عزوجل شيئًا من أمر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب اللہ عنه دون صاحبة وخلته وفقره. (۱)

’’جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہوکر بیٹھا رہا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔‘‘

ما من عبد يسترعيه اللہ رعية فلم يحطها بنصيحه إلا لم يجد رائحة الجنة. (۲)

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من الأمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸

۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۲۲: ۳۳۱، رقم: ۸۳۲

۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۷

(۲) بخاري، الصحيح، کتاب الأحکام، باب من استرعی رعية فلم ينصح، ۶: ۲۶۱۴، رقم: ۶۷۳۱

”جس بندہ کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیرخواہی نہ برتی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔“

کفالتِ عامہ کے فریضہ کی عملاً ادائیگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حکمرانانِ ملتِ اسلامیہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پیش پیش ہیں جس کی تفصیل اسلامی کتبِ سیرت میں موجود ہیں۔

کفالتِ عامہ میں نہ صرف اسلامی ریاست کے مسلمان شہری شامل ہیں بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی وہی حیثیت حاصل ہے جو مسلمانوں کو۔

اسلام کے عطا کردہ نظامِ معیشت میں کفالتِ عامہ اور امدادِ باہمی کی ذمہ داریاں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلامی ریاست کے سپرد کی گئی ہیں۔ کفالتِ عامہ کی تفصیل سمجھنے کے لئے ہم اسے دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔

۱۔ انفرادی کفالت

۲۔ اجتماعی کفالت

۱۔ اِنفرادی کفالت

انفرادی سطح پر معاشرہ میں مستحق افراد کی کفالت کے تصور کو قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں متعدد مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ (۱)

”اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے

(۱) البقرۃ، ۲:۲۶۷

تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کر لو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائقِ ہر حمد ہے o‘‘

۲۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ج وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ط وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ o(۱)

’’اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے (اس سے دوسروں کو ترغیب ہو گی) اور اگر تم انہیں مخفی رکھو اور وہ محتاجوں کو پہنچا دو تو یہ تمہارے لئے (اور) بہتر ہے، اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمہارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا، اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے o‘‘

۳۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o(۲)

’’جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے o‘‘

اس تصور کی وضاحت احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی ملتی ہے:

۱۔ ليس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع إلى جنبه.(۳)

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۱

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۴

(۳) ۱۔ أبو يعلی، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹ ←

’’وہ شخص کامل مؤمن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا پڑا رہے۔‘‘

۲۔ ما آمن بي من بات شبعانًا وجاره جائع إلی جنبه وهو يعلم به.(۱)

’’وہ آدمی میرے اوپر ایمان نہ لایا جس نے خود تو رات سیر ہو کر بسر کی مگر اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا سویا اور یہ بات اس کے علم میں بھی تھی۔‘‘

۳۔ أيما أهل عرصة أصبح فيهم امرؤ جائع فقد برئت منهم ذمة اللہ تعالی.(۲)

’’جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت اور نگرانی کا وعدہ ختم ہو جاتا ہے۔‘‘

۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۱۸۴، رقم: ۷۳۰۷

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۱۰: ۳

۴۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱: ۲۵۹، رقم: ۷۵۱

۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۶

۳۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۳: ۲۴۳، رقم: ۳۸۷۴

۴۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳، رقم: ۴۸۸۰

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۱۰: ۱۱۷، رقم: ۵۷۴۶

۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۱۴، رقم: ۲۱۶۵

۴۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۲: ۳۶۳، رقم: ۲۷۳۶

۲۔ اجتماعی کفالت

اسلام نے نہ صرف انفرادی سطح پر کفالتِ عامہ کی تلقین و حوصلہ افزائی کی بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اسے ایک نظام کے طور پر متعارف کروایا۔ جس کی سیرتِ نبوی ﷺ میں عملی تفسیر مواخاتِ مدینہ کی صورت میں ملتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے اور اسلامی سلطنت کا سنگِ بنیاد رکھا تو سب سے پہلے جو مسئلہ درپیش تھا وہ مہاجرین گھرانوں کی رہائش و خوراک کا تھا۔ کیونکہ مہاجرین اپنی ہر طرح کی منقولہ و غیر منقولہ جائیدادیں مکہ میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے۔

ریاستِ مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی حکومت کے پاس اس قدر وسائل نہیں تھے کہ ان مہاجرین کی آبادکاری، رہائش اور دیگر ضروریات کا انتظام کیا جاتا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کو ان کے حال پر چھوڑنے کی بجائے اہلِ مدینہ، جو بعد میں انصار کہلائے، اور مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرما کر اس مسئلہ کو نہ صرف مستقل طور پر حل کر دیا بلکہ ایک اسلامی ریاست میں اجتماعی سطح پر کفالتِ عامہ کے تصور کو بھی عملاً واضح کر دیا۔ مہاجرین و انصار کے اس تعلق کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ.(۱)

’’بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔‘‘

انصار زراعت پیشہ اور زمینوں اور باغات کے مالک تھے۔ اپنے ذاتی اثاثوں

(۱) الانفال، ۸: ۷۲

سے قدرتی محبت کے باوجود انصار نے مہاجرین کے لئے آپ ﷺ کو یہ پیشکش کی:

اقسم بيننا وبين إخواننا النخيل. (۱)

’’(یا رسول اللہ!) ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان ان باغات کو تقسیم فرما دیں۔‘‘

انصار کی طرف سے یہ پیشکش صرف زمینوں اور باغات میں ہی نہیں تھی بلکہ وہ عقدِ مواخات کے بعد اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور اپنا کل اثاثہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ آدھا تمہارا ہے اور آدھا ہمارا، انصار میں جس کے دو مکانات تھے انہوں نے ایک اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا۔ حتیٰ کہ جس انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی کو ایک بیوی کی بھی پیشکش کر دی کہ جس کو چاہو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں تاکہ تو اس سے شادی کر سکے۔ ذیل میں ایک انصاری صحابی کے الفاظ درج کئے جاتے ہیں جنہیں امام بخاری نے نقل کیا ہے:

فاقسم مالي نصفين، ولي مرأتان فالنظر أعجبهما إليک فسمها لي أطلقها فإذا انقضت عدتها فتزوجها. (۲)

’’میرے مال کو دو حصوں میں تقسیم کر لو (ایک حصہ تمہارا اور ایک حصہ ہمارا)، اور میری دو بیویاں ہیں (ان دونوں کو) دیکھ لو اور جو تجھے پسند ہو اس کا نام مجھے بتا دو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لے

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المزارعة، باب إذا قال اکفني مؤونة النخل أو غيره وتشرکني في الثمر، ۲: ۸۱۹، رقم: ۲۲۰۰
۲۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱: ۲۰۲، رقم: ۶۳۱۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب فضائل الصحابة، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، ۳: ۱۳۷۸، رقم: ۳۵۶۹
۲۔ نسائي، السنن الکبرى، ۵: ۸۶، رقم: ۸۳۲۲

تو تُو اس سے شادی کر لینا۔‘‘

الغرض حضور نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین کی خوراک، روزگار، رہائش اور آباد کاری کا یوں ہنگامی طور پر انتظام فرمایا اور کفالتِ عامہ کی ایسی مثال قائم کر دی جو ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔

معاشی کفالت کا تصور قرآن و حدیث کی روشنی میں

اَفرادِ معاشرہ کی معاشی ضروریات اور قرآن مجید کے الفاظ میں ’’رِزق‘‘ کی فراہمی اللہ ﷻ نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھی ہے:

۱۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللهِ رِزْقُهَا.(۱)

’’اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُO(۲)

’’اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہےO‘‘

سورۃ الفاتحہ میں اللہ ﷻ نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا:

۳۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَO(۳)

(۱) ہود، ۱۱: ۶

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۶۰

(۳) الفاتحۃ، ۱: ۱

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پرورش فرمانے والا ہے ○''

ایک اور مقام پر رزق کی فراہمی کو اپنے ذمۂ کرم پر لیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۴۔ **وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ.** (۱)

''اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

الخلق عيال الله. (۲)

''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔''

رزق کی فراہمی کی یہ ذمہ داری جو رب العالمین نے اپنے ذمۂ کرم پر لی، اسلامی ریاست کے اندر نیابتِ الٰہی میں اسلامی حکومت کی طرف سے انجام دی جائے گی۔ مشہور حنفی فقیہ سید علی زادہ اِسلامی حکومت کے اس فریضہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا يدع فقيرًا في ولايته إلا أعطاه ولا مديونًا إلا قضى عنه دينه ولا ضعيفًا إلا أعانه ولا مظلومًا إلا نصره ولا ظالمًا إلا منعه عن الظلم ولا عاريًا إلا كساه كسوة. (۳)

---

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۱

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۳۶۵، رقم: ۵۵۴۱

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۶: ۶۵، رقم: ۳۳۱۵

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۹۱

(۳) سيد علي زاده، شرح شرع الإسلام

”اسلامی ریاست کا امیر اپنی مملکت میں کوئی ایسا فقیر نہ چھوڑے جس کو عطا نہ کرے اور کوئی ایسا مقروض نہ چھوڑے جس کی طرف سے قرض کو ادا نہ کرے اور کوئی کمزور نہ چھوڑے مگر یہ کہ اس کی مدد کرے اور کوئی مظلوم نہ چھوڑے مگر اس کی مدد کرے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور کوئی ننگا نہ چھوڑے جس کو پہنا نہ دے۔“

قرآن و حدیث کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین نے اپنے دورِ خلافت میں اس ذمہ داری کا کمال احساس رکھا اور اسے پورا کرنے کے لئے مصروفِ کار رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو مات جمل ضياعاً على شط الفرات لخشيت أن يسألني الله عنه. (۱)

”اگر ساحلِ فرات پر کوئی بے سہارا اونٹ مرجائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔“

دوسری روایت میں ہے:

لو ماتت شاة (وفي رواية: عناقًا) على شاطيء الفرات ضائعة، لظننت أن الله سائلي عنها يوم القيامة. (۲)

”اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری (دوسری روایت کے مطابق بکری کا بچہ) بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مرجائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلبی فرمائے گا۔“

جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے انتقال پر کچھ فقہاء آپ کی اہلیہ کے پاس

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳: ۳۰۵

(۲) ابن جوزي، مناقب عمر بن خطاب: ۱۶۱

آپ کی تعزیت کے لئے آئے تو ان کے سامنے آپ کی اہلیہ نے بیان کیا:

والله ما كان بأكثركم صلاة ولا صيامًا، ولكن والله ما رأيت عبد الله كان أشد خوفًا لله من عمر. كان رحمه الله قد فرّغ بدنه ونفسه للناس فكان يقعد لحوائجهم يومه، فإذا أمسى ـــ وعليه بقية من حوائجهم ـــ وصله بليلته. فأمسى يومًا وقد فرغ من حوائجهم فدعا بمصباح قد كان يستصبح به من ماله، ثم صلى ركعتين ثم أقعى واضعًا يده تحت ذقنه تسيل دموعه على خده، فلم يزل كذلك حتى برق الفجر فأصبح صائمًا. فقلت له: يا أمير المؤمنين! لشيء ما كان منك ما رأيت الليلة؟ قال: أجل، إني قد وجدتني وليت أمر هذه الأمة أسودها وأحمرها فذكرت الغريب القانع الضائع، والفقير المحتاج، والأسير المقهور وأشباههم في أطراف الأرض، فعلمت أن الله تعالى سائلني عنهم، وأن محمداً ﷺ حجيجي فيهم، فخفت أن لا يثبت لي عند الله عذر، ولا يقوم لي مع محمد ﷺ حجة، فخفت على نفسي، ووالله إن كان عمر ليكون في المكان الذي ينتهي إليه سرور الرجل مع أهله فيذكر الشيء من أمر الله فيضطرب كما يضطرب العصفور قد وقع في الماء، ثم يرتفع بكاءه، حتى أطرح اللحاف عني وعنه رحمة له. ثم قالت: والله لوددت لو كان بيننا وبين هذه الإمارة بعد ما بين المشرقين. (۱)

”(فقہاء کی جماعت کے پوچھنے پر آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت فاطمہ نے آپ

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۷، ۱۸

کے حالات کو اس طرح بیان فرمایا:) بخدا! وہ تم میں سے کسی سے بھی زیادہ نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے نہیں تھے لیکن اللہ کی قسم! میں نے کسی بندۂ خدا کو عمر بن عبد العزیز سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنے جسم اور ذات کو لوگوں کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ دن بھر لوگوں کی حاجات کے لئے بیٹھے رہتے اگر دن گزر جاتا اور ابھی لوگوں کے کام باقی رہ جاتے تو وہ رات میں بھی لگے رہتے۔ ایک دن یوں ہوا کہ لوگوں کی حاجات سے دن ہی دن میں فارغ ہو گئے تو شام کو ایک چراغ منگوایا جسے وہ اپنے ذاتی تیل سے جلاتے تھے پھر انہوں نے دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس حال میں سیدھے بیٹھے رہے کہ آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر بہتی رہیں اور ساری رات یونہی بیٹھے روتے رہے۔ حتیٰ کہ سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو انہوں نے روزے کی نیت کر لی میں نے پوچھا: امیر المومنین! آپ کس وجہ سے یوں بیٹھے روتے رہے؟ انہوں نے کہا: ہاں میرا حال یہ ہے کہ میں اسود و احمر تمام امتِ مسلمہ کا والی بنایا گیا ہوں۔ مجھے ملک کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے مساکین، فقراء، محتاج قیدیوں اور ان جیسے مظلوم و مقہور لوگوں کی یاد آئی تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ ان کے معاملے میں مجھ سے ضرور جھگڑا فرمانے والے ہوں گے تو میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ اس وقت اللہ کے سامنے کوئی عذر نہ چل سکے گا اور نہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے میں کوئی حجت پیش کرسکوں گا۔ یہ سوچ کر میں ڈر گیا اور رونے لگ گیا۔ (اس کے بعد ان کی اہلیہ نے کہا) اللہ کی قسم! حضرت عمر بن عبد العزیز بعض اوقات اپنے گھر میں ہوتے جس میں عام آدمی بھی اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے، اس دوران اگر انہیں اللہ کی پیشی یاد آ جاتی تو وہ مضطرب ہو جاتے جس طرح وہ چڑیا مضطرب ہوتی ہے جسے پانی میں گرا دیا گیا

ہو۔ پھر اتنی بلند آواز سے آہ و بکا کرتے کہ میں ان پر رحم کرتے ہوئے اپنے سے اوران سے لحاف ہٹا دیتی۔ پھر فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم! میں اس وقت چاہتی کہ کاش ہمارے درمیان اور اس خلافت و امارت کے درمیان زمین و آسمان کی دوری ہوتی۔‘‘

رعیت کی ذمہ داری کا یہی وہ احساس تھا کہ خلفائے راشدین کے دور میں خلفاء اور عوام کے مابین کوئی دیوار کھڑی نہ کی گئی کہ رعایا کو اپنے کسی حق کی طلب میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں والئ کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے رہنے کے لئے ایک محل بنوایا اوراس میں پھاٹک لگوایا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلم کو بھیج کر اسے آگ لگوا دی۔ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) لکھتے ہیں:

فأحرق الباب.(۱)

’’پس (محمد بن مسلم نے حضرت سعد کے محل کا) دروازہ جلا دیا۔‘‘

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم حکمرانوں کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا:

۱۔ **من ولاه الله عزوجل شيئًا من أمر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله عنه دون حاجته وخلته وفقره.**(۲)

’’جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۵۴، رقم: ۳۹۰

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية والحجة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۳۳۱، رقم: ۸۳۲

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۷

ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھا رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں ’’فقر‘‘ غذا، لباس، مکان اور علاج جیسی بنیادی ضرورتوں کا احاطہ کرتا ہے جبکہ ’’حاجة‘‘ میں زندگی کی دیگر بنیادی ضروریات آ گئی ہیں۔

۲۔ ما من إمام يغلق بابه دون ذوي الحاجة والخلة والمسكنة إلا أغلق الله أبواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنته.(۱)

’’جو امام ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ اس کی ضروریات، فقرا ورمسکنت پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔‘‘

۳۔ ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذي على الناس راع وهو مسئول عن رعيته.(۲)

’’آ گاہ رہو تم میں سے ہر ایک آدمی نگران ہے اور (روزِ قیامت) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس کی جائے گی تو (اس طرح) لوگوں پر امیر یا حکمران بھی ایک نگران ہےاور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما جاء في إمام الرعية، ۳: ۶۱۹، رقم: ۱۳۳۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۳۱، رقم: ۱۸۰۳۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۳: ۱۳۴، رقم: ۱۵۶۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

حضرت ابو ذرغفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امارت (حکومت) کا سوال کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۴۔ أنت ضعيف وهي أمانة وهي يوم القيامة خزي وندامة إلا من أخذها بحقها وأدى ما عليه فيها. (۱)

’’اے ابو ذر! تو کمزور ہے اور یہ (امارت و حکومت) ایک بہت بڑی امانت اور بروز قیامت (امیر کے لئے) رسوائی اور ندامت کا باعث ہے۔ البتہ (اس حاکم کے لئے رسوائی نہیں ہوگی) جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ اختیار کیا اور امارت و حکومت میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس کو کماحقہ ادا کیا۔‘‘

یعنی شریعتِ اسلامیہ میں امارت و سیادت کے منصب پر فائز شخصیت اپنی رعیت کی کفالت سے کسی صورت بھی بری الذمہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إن الخليفة هو الذي يقضي بكتاب الله، ويشفق على الرعية شفقة الرجل على أهله، فقال كعب الأحبار: صدق. (۲)

’’خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور (اپنی) رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل و عیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر کعب الاحبار نے کہا: سلیمان نے سچ کہا۔‘‘

مندرجہ بالا تعریف کی تشریح کرتے ہوئے ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) کہتے ہیں:

الوالي راع على الناس بمنزلة راعي الغنم. (۳)

---

(۱) ۱۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹
۲۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱۱، رقم: ۶

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱۳، رقم: ۱۲

(۳) ابن تيميه، السياسة الشريعة في إصلاح الراعي والرعية: ۱۶

’’جس طرح گڈریا بکریوں کی رکھوالی کرتا ہے اسی طرح سربراہِ حکومت رعایا کا راعی ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۵۔ ما من أمير يلي أمر المسلمين ثم لا يجهد لهم وينصح إلا لم يدخل معهم الجنة. (۱)

’’جو آدمی مسلمانوں کے معاملے (حکومت) کا نگران بنے پھر ان کی بہتری کے لئے کوشش نہ کرے اور نہ ہی ان کی خیر خواہی کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔‘‘

۶۔ ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصحه إلا لم يجد رائحة الجنة. (۲)

’’جس بندے کو رب ذو الجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا۔ پھر اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ (حکمران) جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔‘‘

۷۔ ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ۱: ۱۲۶، رقم: ۱۴۲

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۲۲۵، رقم: ۵۲۴

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۸۹

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح، ۶: ۲۶۱۴، رقم: ۶۷۳۱

لرعیته إلا حرم الله علیه الجنة. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بندے کو رب ذوالجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور وہ اس حال میں مرتا ہے کہ قوم کا خیرخواہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔‘‘

منصف اور عادل حکمران کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۸۔ إن المقسطین عند الله علی منابر من نور عن یمین الرحمٰن ﷻ و کلتا یدیه یمین، الذین یعدلون في حکمهم و أهلیهم وما ولوا. (۲)

’’بے شک انصاف کرنے والے (حکام و امراء) اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر اس کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیرِ حکومت امور میں عادل ہیں۔‘‘

۹۔ السلطان ولي من لا ولي له. (۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعیته النار، ۱: ۱۲۵، رقم: ۱۴۲

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۴۱۷، رقم: ۲۷۹۶

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۴۶، رقم: ۴۴۹۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإمارة، باب فضیلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث علی الرفق بالرعیة، ۳: ۱۴۵۸، رقم: ۱۸۲۷

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۴۶۰، رقم: ۵۹۱۶

۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۷: ۳۹، رقم: ۳۴۰۳۵

(۳) ۱۔ترمذي، السنن، کتاب النکاح، باب ما جاء لا نکاح إلا بولي، ۳: ۴۰۷، رقم: ۱۱۰۲

”حکمران (یا حکومت) ہر اس آدمی کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔“

یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام اور ان کی کفالت کا اہتمام کرے اور اس کے لئے جملہ ذرائع بروئے کار لائے جائیں۔ بقول امام ابن حزم (م۴۵۶ھ):

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلک إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة. (۱)

”ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکوۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کا مالِ فئی اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا ان (اہلِ حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدرِ ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس وغیرہ بھی (حاصل کر سکیں) اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔“

امام جصاص (م۳۷۰ھ) سورۃ یوسف کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

------ ۲۔ أبو داود، السنن، كتاب النكاح، باب في الولي، ۲: ۲۲۹، رقم: ۲۰۸۳

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۳۸۶، رقم: ۴۰۷۵

۴۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۸۲، رقم: ۲۷۰۶

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

قص الله تعالى علينا من قصة يوسف وحفظه للأطعمة في سني الجدب وقسمته على الناس بقدر الحاجة دلالة على أن على الائمة في كل عصر أن يفعلوا مثل ذلک إذا خافوا هلاک الناس من القحط.[1]

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو قصہ سنایا ہے اور ان کے بارے میں قحط کے زمانے میں غذائی اشیاء کو محفوظ کر کے انسانوں میں بقدر ضرورت تقسیم کرنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ جب ان کو اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو ایسا ہی طریقہ اختیار کریں۔''

بحیثیت سربراہِ مملکت اسی احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ ہمیں خلفائے راشدین کے ہاں ملتا ہے کہ انہوں نے اپنی سرکاری وحکومتی حیثیت کو ہمیشہ ایک امانت کی حیثیت دی اور عملاً بھی اس کا مظاہرہ کیا۔

۱۰۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال پوچھا کہ مجھے خلیفہ ہونے سے اب تک بیت المال سے کتنا وظیفہ ملا ہے۔ حساب کر کے بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے یہ روپیہ بیت المال میں جمع کروا دیا جائے ۔ پھر فرمایا کہ اس دوران میرے مال میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ:

(۱) ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے۔

(۲) ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے۔

(۳) ایک چادر جو چند درہم مالیت کی تھی۔

(۱) جصاص، أحکام القرآن، ۳: ۱۷۶

آپ رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفۂ وقت کی خدمت میں بھیج دی جائیں۔ جب اس حکم کی تعمیل میں یہ چیزیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے:

رحمة الله علی أبي بكر لقد أتعب من بعده تعبًا شديدًا. (۱)

’’اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ اپنے جانشینوں کے لئے کام بہت دشوار کر گئے ہیں۔‘‘

۱۱۔ یہی عمل حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ بطور امیر المؤمنین اپنی سرکاری حیثیت کا تعارف آپ رضی اللہ عنہ نے یوں کروایا:

ألا أخبركم بما استحل من مال الله؟ حلتين: حلة الشتاء والقيظ، وما احج عليه واعتمرمن الظهر، وقوت أهلي كرجل من قريش، ليس بأغناهم ولا بأفقرهم. ثم أنا رجل من المسلمين يصيبني ما يصيبهم. (۲)

’’کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ اللہ کے مال (بیت المال) میں سے میرے لئے کیا حلال (اور جائز) ہے؟ میرے لئے بیت المال میں سے دو جوڑے کپڑے ایک سردی کے لئے اور ایک گرمی کے لئے حج و عمرہ کے لئے ایک سواری اور ایک متوسط درجہ کے قریشی آدمی کے معیار کے مطابق اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کے لئے خرچ حلال ہے۔ اس کے بعد بیت المال میں سے جو عام آدمی کو ملے، وہی مجھے ملے گا۔‘‘

۱۲۔ عامۃ الناس کی کفالت کا آپ رضی اللہ عنہ کو کس حد تک اِحساس تھا اس کا اندازہ آپ

---

(۱) ابن سعد، طبقات الكبری، ۳: ۱۹۲، ۱۹۳

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۴۱، رقم: ۶۶۳

کے اس فرمان سے ہوتا ہے:

لئن بقيت ليبلغن الراعي بصنعاء نصيبه من هذا الفيء. (۱)

’’اگر میں زندہ رہا تو اس مالِ فیٔ میں سے (ہر مسلمان حتی کہ) صنعاء (یمن) میں بسنے والے چرواہے کو بھی اس کا حصہ (اور حق) پہنچے گا (یعنی لوگوں کو اپنے حقوق کے لئے سرکاری عمال کے پیچھے نہیں بھاگنا پڑے گا)۔‘‘

۱۳۔ ایک موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

أما والله لئن بقيت لأرامل أهل العراق لأدعنهم لا يفتقرون إلى أمير بعدي. (۲)

’’بخدا اگر میں زندہ رہا تو اہلِ عراق کی بیوگان کو اتنا خوشحال کر دوں گا کہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں گی۔‘‘

۱۴۔ ایک موقع پر خطبے میں ارشاد فرمایا:

أيها الناس إن الله قد كلفني أن أصرف عنه الدعاء. (۳)

’’لوگو! اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور جانے والی دعاؤں کو رد کروں (یعنی لوگوں کی معاشی مشکلات کو کم کروں)۔‘‘

۱۵۔ ایک موقع پر فرمایا:

ومن أراد أن يسأل عن المال فليأتني فإن الله تعالى جعلني له خازنا وقاسما. (۴)

---

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۲۵

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۴۰

(۳) عز الدين بن عبد السلام، قواعد الأحكام فى مصالح الأنام، ۱: ۱۳۳

(۴) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۸: ۲۰

←

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

’’اور جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے (اپنے مال کا) خزانچی اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔‘‘

۱۵۔ اسی نوعیت کا طرزِ معیشت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی نظر آتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی بیت المال کو عوام کی امانت سمجھا اور اس میں سے ایک جبہ اور چادر کے سوا کچھ نہ لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لم يرزأ علی بن أبي طالب من بيت مالنا حتی فارقنا غير جبة محشوة وخميصة درا بجردية. (۱)

’’حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہمارے بیت المال سے اپنی وفات تک ایک روئی بھرے جبہ اور سیاہ چوخانوں دار کپڑے کے سوا کچھ نہ لیا۔‘‘

۱۶۔ اسی طرح ہارون ابن عنترہ نے اپنے باپ سے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ جاڑے کا موسم تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر صرف ایک پھٹا پرانا قطیفہ (مخملی لبادہ) تھا جس میں آپ تھرتھر کانپ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ اور آپ کے گھر والوں کے لئے اس حال میں کچھ حق مقرر کیا ہے اور آپ اپنے ساتھ یہ برتاؤ کر رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إني واللہ ما أرزأكم شيئًا، وما هي إلا قطيفتي التي اخرجتها من بيتي أو قال: من المدينة. (۲)

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۴۵۷، رقم: ۳۲۸۹۶

۳۔ حاكم، المستدرك علی الصحيحين، ۳: ۳۰۶، رقم: ۵۱۹۱

۴۔ بيهقي، السنن الكبری، ۶: ۲۱۰، رقم: ۱۱۹۶۹

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۴۴، رقم: ۶۷۰

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۴۴، رقم: ۶۷۱

”واللہ! میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کروں گا۔ یہ میرا وہی قطیفہ ہے جسے میں اپنے گھر سے، یا فرمایا: مدینہ سے لایا تھا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے وقت اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا تھے کہ احکامِ شریعت اس سے بہت زیادہ مال بطور خرچ لینے کی اجازت دیتے ہیں اور یہ ضروری قرار نہیں دیتے کہ خود کو ہر طرح کی آسائش سے محروم رکھ کر روکھے سوکھے پر قناعت کرتے ہوئے ایک زاہدانہ زندگی گزار دی جائے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس وقت مسلمانوں کے ایک عام فرد کی حیثیت سے بیت المال سے ان کا اچھا خاصا حصہ تھا جو وہ لے سکتے تھے۔ نیز یہ بھی کہ بحیثیت ایک حاکم کے جو عوام کی خدمت کے لئے وقف ہو، ان کا حصہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ وہ چاہتے تو اتنا معاوضہ لے سکتے تھے جتنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض ممالک کے والیوں کے لئے مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی بنایا تو ان کے اور ان کے معاونین کے لئے چھ ہزار درہم ماہانہ مقرر کئے اور عام افراد کی طرح جو عطاء ان کے حصہ میں آتی تھی وہ علیحدہ تھی۔ ابو عبید (م۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

أن عمر جعل عطاء عمار بن ياسر ستة آلاف.[۱]

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے لئے چھ ہزار (درہم) مقرر کئے۔“

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں لوگوں کی تعلیم اور بیت المال کی نگرانی پر مامور کیا تو سو درہم ماہانہ اور چوتھائی بکری روزانہ مقرر کیا۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے لئے اس سالانہ عطاء کے علاوہ جو پانچ ہزار درہم کے بقدر تھی، چوتھائی بکری روزانہ اور ڈیڑھ سو درہم ماہانہ مقرر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ جو کچھ کیا وہ ان باتوں سے ناواقف رہتے ہوئے

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱ ۳۰، رقم: ۵۷۷

نہیں کیا۔ دراصل وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ حاکم نمونہ بنتا ہے اور اس پر شک کی بھی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ چونکہ خزانۂ عام اس کے تحت ہوتا ہے اس لیے اس پر اس میں خرد برد کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے والیوں اور اپنی عام رعایا کے لئے احتیاط و پرہیزگاری کا نمونہ بنتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے نفس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طریقوں کا پابند بنایا، جو لوگ اللہ کے دین میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب مقرر ہوتے تھے ان کے لئے یہ اونچا معیار ہی موزوں تھا۔

۱۷۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جو مالیاتی پالیسی اختیار کی اسے آپ رضی اللہ عنہ نے بیعتِ خلافت کے بعد اپنے خطبہ میں یوں بیان فرمایا:

إلا أن أكون عليكم ألا وإنه ليس لي أمر دونكم إلا أن مفاتيح مالكم معي ألا وإنه ليس لي أن آخذ منه درهمًا دونكم رضيتم. (۱)

”لوگو! میں صرف ایک شرط پر تمہارا خلیفہ بنوں گا کہ تمہارے خزانوں کی چابیاں اگرچہ میرے قبضہ میں ہوں گی لیکن میں تمہاری رضامندی کے بغیر اس میں سے ایک درہم بھی نہ لوں گا۔“

۱۸۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عطا کردہ زمینوں، جاگیروں اور انعام و اکرام کے طور پر دیئے گئے مال کو بیت المال میں واپس لائے اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ لو وجدته قد تزوج به النساء، وتملك به الإماء، لرددته، فإن في العدل سعة، ومن ضاق عليه العدل، فالجور عليه أضيق. (۲)

”خدا کی قسم! اگر میں کسی مال کو اس حالت میں پاتا کہ اس کے ذریعے عورتوں سے شادی کی جا چکی ہے، لونڈیاں خریدی جا چکی ہیں (یا اس مال کو مختلف ملکوں

(۱) طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۵۲

(۲) سيدنا علي المرتضى رضی اللہ عنہ، نهج البلاغه: ۵۲

میں پھیلایا جا چکا ہے) تو بھی میں اسے واپس لاتا کیونکہ عدل میں بڑی وسعت ہے اور جس کے لئے حق تنگ ثابت ہو اس کے لئے ظلم و جور اور زیادہ تنگ ہوتا ہے۔‘‘

۱۹۔ لوگوں کی کفالت اور ان پر خرچ کرنے کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کے معمول کو حضرت موسیٰ ابن طریف رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

دخل علي بيت المال فاضرط به، ثم قال: لا أمسی وفيک درهم. ثم أمر رجلًا من بني أسد فقسمه، حتی أمسی. (۱)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال میں داخل ہوئے اور انہوں نے اسے بے وقعت سی چیز سمجھتے ہوئے کہا: میں شام ہونے سے پہلے پہلے تیرے اندر ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑوں گا پھر انہوں نے بنی اسد کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ اس مال کو تقسیم کر دے اور اس نے وہ مال تقسیم کر دیا حتی کہ شام ہو گئی۔‘‘

مختلف طبقاتِ معاشرہ کی کفالت

قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی نظامِ معیشت کے تحت معاشرے میں کوئی بھی طبقہ ایسا نہیں رہنا چاہئے جسے معاشی کفالت کی ضرورت ہو اور وہ معاشی کفالت نہ پا سکے، ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ○ فَکُّ رَقَبَةٍ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ○ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ○ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ○ (۲)

’’وہ تو (دینِ حق اور عملِ خیر کی) دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہوا○ اور

(۱) أبو عبيد، کتاب الأموال: ۳۴۴، رقم: ۶۷۲

(۲) البلد، ۹۰: ۱۱۔۱۶

آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےo یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)o قرابت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہےo‘‘

۲۔ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًاo(۱)

’’اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور بُری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو، یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہےo‘‘

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًاo(۲)

’’بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گےo‘‘

قرآن مجید نے نہ صرف یتیموں کے مالی حقوق کی ادائیگی پر زور دیا بلکہ ان کے احترام اور معاشرے میں انہیں باعزت مقام عطا کرنے کی بھی بار بار تلقین کی تاکہ ان میں کسی قسم کا احساسِ کمتری پیدا نہ ہو، یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ یتیم کی توہین اور ازرہِ حقارت اسے نظر انداز کرنے کو قرآن حکیم نے براہِ راست دین کی تکذیب قرار دیا:

۴۔ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِo فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَo(۳)

(۱) النساء، ۴: ۲

(۲) النساء، ۴: ۱۰

(۳) الماعون، ۱۰۷: ۱، ۲

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟o تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)o‘‘

دوسرے مقام پر یتیموں کے حقوق کی تائید کرتے ہوئے رب ذوالجلال نے آپ ﷺ کے اس دور کا تذکرہ بھی فرمایا جب آپ ﷺ دورِ یتیمی سے عملاً خود گزرے، دراصل اس تذکرے سے مقصود مخاطب کو اس مظلوم اور بے یار و مددگار طبقے کی تکالیف اور مصائب کا احساس دلانا ہے:

۵۔ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰیo وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰیo وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰیo فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْo وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْo[1]

’’(اے حبیب!) کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اس نے (آپ کو معزّز و مکرّم) ٹھکانا دیاo اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ و گم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیاo اور اس نے آپ کو (وصالِ حق کا) حاجت مند پایا تو اس نے (اپنی لذتِ دید سے نواز کر ہمیشہ کے لئے ہر طلب سے) بے نیاز کر دیاo سو آپ بھی کسی یتیم پر سختی نہ فرمائیںo اور (اپنے در کے) کسی منگتے کو نہ جھڑکیںo‘‘

۱۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اس طرزِ عمل یعنی بے یار و مددگار اور بے سہاروں کی کفالت سے عبارت ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابتدائے وحی میں یہی بات کہہ کر آپ ﷺ کو تسلی دی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں فرمائے گا کیونکہ:

تحمل الکل وتکسب المعدوم.[2]

---

(۱) الضحی، ۹۳: ۶۔۱۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول الله ﷺ، ۱: ۴، رقم: ۳

”آپ بے یار و مددگار اور بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے اور ناداروں کو کما کر عنایت فرماتے ہیں۔“

۲۔ آپ ﷺ کے اسی معمول مبارک کی طرف حضرت ابو طالب نے یوں اشارہ کیا:

وأبیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للأرامل (۱)

(وہ گورے چہرے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے سے ابرِ رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا ماوی اور فریادرس وہ بیواؤں اور مساکین کا سرپرست اور حامی و محافظ۔)

۳۔ بشیر بن عقبہ الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ احد کے دن حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! میرے باپ کا کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے جامِ شہادت نوش کر لیا ہے۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ یہ سن کر میں رونے لگا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے پکڑا اور میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا اور فرمایا:

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بدء الوحي إلی رسول الله ﷺ، ۱: ۱۴۱، رقم: ۱۶۰

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۱۰۳، رقم: ۳۲۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، ۱: ۳۴۲، رقم: ۹۶۳

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء في الدعاء في الاستسقاء، ۱: ۴۰۵، رقم: ۱۲۷۲

أما ترضی أن أکون أنا أبوک وعائشة أمک.[(۱)]

’’اے بشیر! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں تیرا باپ اور عائشہ تیری ماں ہیں۔‘‘

۴۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک لڑکا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! میرے باپ آپ پر قربان میں ایک یتیم لڑکا ہوں۔ میری ایک بہن اور بیوہ ماں ہے (ہم مفلوک الحال اور کئی دن سے بھوکے ہیں۔) لہٰذا اپنے مال میں سے ہمیں کھانا عنایت فرمائیے، اس کھانے کے بدلے میں اللہ آپ کو کھلائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچے کی مؤدبانہ گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ہمارے گھر جاؤ وہاں سے کھانے کے لئے جو کچھ ملے میرے پاس لے آؤ۔ وہ لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے اکیس عدد کھجوریں لے آیا اور لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی پر رکھ دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کھجوروں پر پھونک ماری اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا: بیٹا! یہ سات کھجوریں تیرے لئے، سات تیری ماں کے لئے اور سات تیری بہن کے لئے ہیں صبح شام ایک ایک کھا لیا کرو۔

یہ لڑکا بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اٹھ کر باہر آیا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اس کے سر پرشفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی کہ اللہ کریم تمہارے حالات بہتر بنائے اور تمہیں اپنے باپ کا خلیفہ بنائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب دیکھ رہے تھے۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بچے پر رحمت کے جذبے کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) ۱۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۷: ۴۷۵، رقم: ۱۱۰۴۴
۲۔ بخاري، التاریخ الکبیر، ۲: ۷۸، رقم: ۱۷۵۱
۳۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۱
۴۔ تمیمي، الثقات، ۳: ۳۱، رقم: ۱۰۱

والذي نفس محمد بيده لا يلي أحد من المسلمين يتيمًا فيحسن ولايته إلا جعل الله له بكل شعرة درجة وأعطاه بكل شعرة حسنة وكفر عنه بكل شعرة سيئة.(۱)

''اوراس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد رسول اللہ ﷺ کی جان ہے جو مسلمان کسی یتیم بچے کی اچھی طرح کفالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ یتیم کے ہر بال کے بدلے اس کا درجہ بلند کرتا ہے ہر بال کے بدلے اسے ایک نیکی عطا کرتا اور ہر بال کے بدلے اس کی ایک خطا معاف کرتا ہے۔''

اسلامی معاشرے میں کمزور و نادار اور فقراء و مساکین کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کی روش پر خلفائے راشدین بھی کاربند رہے اور افرادِ معاشرہ کو خوشگوار زندگی کی فراہمی کے لئے جملہ وسائل و ذرائع اختیار کرتے رہے جو آج بھی موجودہ حالات کے مطابق رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے قریب ایک جگہ ربذۃ (چراہ گاہ) کو خرید کر سرکاری ملکیت بنا دیا اور اسے مسلمانوں کے چوپاؤں کے لئے وقف کر دیا۔ اس پر فقراء و مساکین اور کم آمدنی والے افراد کا حق سب سے فائق رکھا تاکہ وہ اس مفت چراگاہ کو اپنی حیوانی دولت و آمدن میں اضافہ کا ذریعہ بنا لیں اور حکومت سے کسی قسم کی امداد و اعانت کے محتاج نہ رہیں۔ آپ نے ایک شخص کو اس چراگاہ کا نگران مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

اضمم جناحک عن الناس، واتق دعوة المظلوم، فإنها مجابة

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ بزّار، المسند، ۸: ۳۰۱، رقم: ۳۳۷۵

۲۔ حارث، المسند، ۲: ۸۵۲، رقم: ۹۰۵

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۷: ۴۷۴، رقم: ۱۱۰۴۲

۴۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۱

وأدخل رب الصريمة والغنيمة، ودعني من نعم ابن عفان، ونعم ابن عوف، فإنهما إن هلكت ماشيتهما رجعا إلى نخل وزرع، وأن هذا المسكين إن هلكت ماشيته جاء يصرخ يا أمير المؤمنين! أفالكلأ أهون على أم غرم الذهب والورق؟(۱)

’’لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو اور مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ وہ مستجاب ہے اور تھوڑے اونٹوں اور تھوڑی بکریوں والوں کو چراگاہ میں داخلے کی اجازت دو اور ابن عفان اور ابن عوف کے چوپاؤں (یعنی امت کے امیر لوگوں) کو رہنے دو۔ کیونکہ ان کے مویشی ہلاک ہو گئے تو وہ اپنے دوسرے کھیتوں اور نخلستانوں کی طرف پلٹ جائیں گے (یعنی ان کی آمدن کے ذرائع اور جائیدادیں کثیر ہیں) اور یہ مسکین (جو محروم المعیشت ہیں) اگر مال مویشی سے محروم ہو گئے تو وہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آ کر دہائی دیں گے کہ اے امیر المؤمنین! (ہماری مدد کریں)۔ کیا میں ان بچوں کو چھوڑ دوں؟ لہٰذا ان کے لئے گھاس پھوس (ذرائع معیشت) مہیا کرنا سیم و زر کی قدر سے زیادہ آسان ہے۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم سے درج ذیل احکامات سامنے آتے ہیں:

(۱) مسلمان حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ قلیل آمدنی والے افرادِ معاشرہ کا خاص طور پر خیال رکھے اور انہیں ایسے معاشی مواقع فراہم کرے کہ وہ معاشی محرومی سے نکل آئیں، چاہے اس کے لئے دولت مند افراد کو کچھ عرصہ کے لئے کچھ وسائل سے محروم ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

(۲) اسلامی حکومت کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر اس کے پاس ذرائع آمدنی نہ ہوں اور حصولِ رزق کا کوئی ذریعہ نہ رہے تو وہ اپنے اور اپنے اہلِ

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۷۶، رقم: ۷۴۱

خانہ کی کفالت کے لئے اسلامی حکومت سے مطالبہ کرے، اور حکومت کو بھی اس کا مطالبہ پورا کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(۳) اسلامی حکومت اس طرح کی معاشی پالیسی اختیار کرے کہ محروم المعیشت افرادِ معاشرہ کو روزگار اور ذرائع آمدنی میسر آ سکیں اور وہ حکومتی امداد و اعانت سے مستغنی ہو کر معاشی استحکام حاصل کر سکیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

”گھاس پھونس مہیا کرنا میرے لئے سیم و زر مہیا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔“

۶۔ اسلامی ریاست پر صرف مسلمان شہریوں کی کفالت کی ذمہ داری ہی عائد نہیں ہوتی بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی وہی مقام حاصل ہے جو مسلم رعایا کو۔ اسوۂ فاروقی سے اس امر کی رہنمائی بھی ملتی ہے:

مرّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بباب قوم وعليه سائل يسأل، شيخ كبير ضرير البصر، فضرب عضده من خلفه وقال: من أيّ أهل الكتاب أنت؟ فقال: يهودي. قال: فما ألجاك إلى ما أرى؟ قال: أسئل الجزية والحاجة والسن. قال: فأخذ بيده وذهب به إلى منزله فرضخ له بشيء من المنزل ثم أرسل إلى خازن بيت المال. فقال: انظر هذا وضرباءه، فوالله ما أنصفناه أن أكلنا شبيبته ثم نخذله عند الهرم.(۱)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر کسی کے دروازہ پر ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا وہ ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کس اہل کتاب سے ہو؟ اس نے کہا: یہودی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: تمہیں کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۶

میں بڑھاپے، ضرورت مندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے اسے کچھ لا کر دیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے نگران کو بلایا اور فرمایا: اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ خدا کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔"

۷۔ سفرِ شام سے واپسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ان لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟ سرکاری کارندوں نے بتایا: ان کے ذمے جزیہ ہے جسے انہوں نے ادا نہیں کیا اس لئے انہیں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا عذر پیش کرتے ہیں؟ سرکاری کارندوں نے بتایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں: ہمارے پاس جزیہ کی رقم نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان بیچاروں کو چھوڑ دو، انہیں ایسی چیز کی تکلیف نہ دو جس کی یہ طاقت نہیں رکھتے کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

لا تعذبوا الناس فإن الذين يعذبون الناس في الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة. (۱)

"لوگوں کو بلا وجہ عذاب نہ دو کیونکہ جو لوگ بلا وجہ کسی کو عذاب دیں گے بروز قیامت اللہ انہیں عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔"

معاشی کفالت کا دائرہ کار

ایک اسلامی ریاست میں ان تمام بنیادی لوازمات کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے جن پر زندگی کے قیام و استحکام کا انحصار ہے۔ موجودہ دور کے لحاظ سے ان بنیادی

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۵

ضروریاتِ زندگی کو سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ حقِ خوراک ۲۔ حقِ لباس

۳۔ حقِ رہائش ۴۔ حقِ ذریعہ معاش (روزگار)

۵۔ حقِ تعلیم ۶۔ حقِ علاج

۷۔ حقِ انصاف

ذیل میں ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

۱۔ حقِ خوراک

خوراک انسان کی وہ بنیادی ضرورت ہے جس کی فراہمی کے بغیر زندگی کے قیام و بقا کا کوئی امکان نہیں۔ اس بنیادی خدمت کی فراہمی کی جہاں قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر مختلف انداز سے تلقین فرمائی ہے وہاں آپ ﷺ کی سنت مبارکہ سے بھی ہمیں اس کے عملی نمونے ملتے ہیں۔

۱۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں اور ننگے جسم، دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا پریشانی میں آپ ﷺ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لے آتے، پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، خطبے میں آپ ﷺ نے سورۃ النساء کی پہلی آیت کریمہ۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ج وَ اتَّقُوا اللهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللهَ کَانَ

عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا○ (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے○)﴾ - اور سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۱۸ - ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ (اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھتے رہنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لئے آگے کیا بھیجا ہے)﴾ - پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب، مفلس اور حاجت مند بھائیوں پر صدقے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر آدمی کو چاہیے کہ اگر اس کے پاس ایک ہی دینار ہو، ایک ہی درہم ہو، ایک ہی کپڑا ہو، ایک ہی صاع گندم ہو یا ایک صاع کھجور ہو تو بھی اس میں سے صدقہ کرے حتیٰ کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرے۔ آپ ﷺ کا فرمانا تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ کر گئے اور دھڑا دھڑ حسبِ توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف کھانے اور کپڑے کے ڈھیر لگ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس جذبۂ ہمدردی کو دیکھ کر آپ ﷺ کو اتنی مسرت ہوئی کہ بقول راوی:

رأيت وجه رسول الله ﷺ يتهلل كأنه مذهبة. (۱)

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا کہ وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔''

۲۔ حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقر و فاقہ اور سخت

www.MinhajBooks.com

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۲: ۳۹، رقم: ۲۳۳۵

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳ ←

بھوک نے میرے دو ساتھیوں اور مجھے آ لیا اور بھوک کی شدت کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ جب اور کوئی سبیل نظر نہ آئی تو ہم نے سوچا کہ اصحابِ رسول ﷺ کے پاس چلتے ہیں مگر وہاں بھی افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے، آپ ﷺ کے ہاں چار بکریاں تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

احلبهن يا مقداد، وجزئهن أربعة أجزاء، وأعط كل إنسان جزءًا، فكنت أفعل ذلك. (۱)

’’اے مقداد! ان (چاروں بکریوں کا) دودھ دھو لو اور پھر ان کے (دودھ) کو چار اجزاء میں تقسیم کر لو اور ہر فرد کو ایک ایک حصہ دے دو، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خرجت يومًا من بيتي إلى المسجد لم يخرجني إلا الجوع فوجدت نفرًا من أصحاب رسول الله ﷺ فقالوا: يا أبا هريرة! ما أخرجك هذه الساعة؟ فقلت: ما أخرجني إلا الجوع. فقالوا: نحن والله ما أخرجنا إلا الجوع، فقمنا فدخلنا على رسول الله ﷺ فقال: ما جاء بكم هذه الساعة؟ فقلنا: يا رسول الله! جاء بنا الجوع. قال: فدعا رسول الله ﷺ بطبق فيه تمر فأعطى كل

------ ۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۳۲۸، رقم: ۲۳۷۲

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۰

(۱) ابن كثير، البداية والنهاية، ۵: ۳۳۸

رجل منا تمرتين فقال: كلوا هاتين التمرتين واشربوا عليهما من الماء فإنهما ستجزيانكم يومكم هذا، قال أبو هريرة: فأكلت تمرة وجعلت تمرة في حجرتي، فقال رسول الله ﷺ: يا أبا هريرة! لم رفعت هذه التمرة؟ فقلت: رفعتها لأمي فقال: كلها فإنا سنعطيك لها تمرتين، فأكلتها فأعطاني لها تمرتين.[1]

’’ایک دن مجھے بھوک نے ستایا تو میں مجبوراً گھر سے مسجد نبوی ﷺ کی طرف نکل پڑا راستے میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ملاقات ہوئی تو وہ تعجب سے پوچھنے لگے: ابو ہریرہ! اس وقت کدھر کا قصد ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے اس وقت بھوک نے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگے: بخدا ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہمیں بھی بھوک ہی نے گھروں سے نکالا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب مل کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اس وقت تم سب کیسے آئے؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت بھوک ہمیں آپ ﷺ کے پاس لائی ہے۔ (آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر ناگواری کا کوئی تاثر نظر نہیں آیا بلکہ) آپ ﷺ نے فوراً کھجوروں کا ایک طبق منگایا اور ہر آدمی کو دو دو کھجوریں عنایت فرماتے ہوئے فرمایا: یہ کھا لو اور اوپر سے پانی پی لو یہ آج تمہارے لئے کافی ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کھجور کھا لی اور دوسری بچا کر اپنی گود میں رکھ لی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: ابو ہریرہ! تم نے یہ کھجور کیوں بچا رکھی ہے؟ میں نے عرض کیا: اپنی والدہ کے لئے۔ فرمایا: تم کھاؤ تمہاری والدہ کے لئے ہم مزید دو کھجوریں دے دیں گے۔ چنانچہ وہ کھجور میں نے کھا لی اور والدہ کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید دو کھجوریں دے دیں۔‘‘

(۱) ۱۔ ابن سعد، طبقات الكبرى، ۴: ۳۲۹
۲۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۲: ۵۹۲

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لكثرة من يغشاه وأضيافه وقوم يلزمونه لذلك فلا يأكل طعامًا أبدًا إلا ومعه أصحابه وأهل الحاجة يتتبعون من المسجد. (۱)

’’کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آنے والے مہمانوں اور مفلس لوگوں کی وجہ سے جو کھانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چمٹے رہتے تھے (آپ کے ہاں فاقہ کی کیفیت رہتی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کھانا تناول فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم اور وہ اہلِ حاجت بھی شریک ہو جاتے جو مسجد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آجاتے۔‘‘

۵۔ حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أتيت النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما هاجرت وذلك قبل أن أسلم فحلب لي شويهة كان يحتلبها لأهله فشربتها فلما أصحبت أسلمت وقال عيال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: نبيت الليلة كما بتنا البارحة جياعًا. (۲)

’’میں اسلام لانے سے قبل ایک رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بکری کا دودھ دھو کر مجھے پلایا جس کا دودھ گھر والوں کو ملا کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والے کہنے لگے کہ آج رات بھی اسی طرح بھوکے گزار لیں گے جس طرح کل رات بھوکے گزاری تھی۔ آپ کا یہ بلند اخلاق اور کمال ایثار دیکھ کر صبح ہوتے ہی ابو بصرہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔‘‘

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۴۰۹

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۹۷، رقم: ۲۷۲۶۹

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۳۱

۶۔ ضرورت مندوں کی کفالت کے لئے نہ صرف آپ ﷺ خود بلکہ پورا گھرانۂ نبوت اکثر اوقات فاقہ کشی کرتا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يبيت الليالي المتتابعة طاويًا وأهله لا يجدون عشاء وكان أكثر خبزهم خبز الشعير.(۱)

”حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی راتیں متواتر بھوکے رہ جاتے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں جب بھی روٹی میسر ہوتی تو اکثر جو کی روٹی ہوتی۔“

حقِ خوراک کی فراہمی کا اہتمام نہ صرف آپ ﷺ کی انفرادی زندگی میں بکثرت نظر آتا ہے بلکہ قومی زندگی میں بھی قوانین کے نفاذ کے وقت آپ ﷺ نے اس حق کی کماحقہ ادائیگی کو ملحوظ رکھا اور جہاں کہیں اس اساسی حق کی وجہ سے شرعی قوانین کے نفاذ کا معاملہ درپیش ہوا تو آپ ﷺ نے اولاً لوگوں کے لئے حقِ معاشرہ کی فراہمی کو ترجیح دی۔

۷۔ حضرت عباد بن شرحبیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أصابتني سنة فدخلت حائطاً من حيطان المدينة، ففركت سنبلاً، فأكلت وحملت في ثوبي، فجاء صاحبه فضربني وأخذ ثوبي فأتيت رسول الله ﷺ فقال له: ما علمت إذ كان جاهلاً ولا أطعمت إذ كان جائعًا أو قال: ساغبًا. وأمره فرد عليّ ثوبي

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء في معيشة النبي ﷺ وأهله، ۴: ۵۸۰، رقم: ۲۳۶۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب خبز الشعير، ۲: ۱۱۱۱، رقم: ۳۳۴۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۵۵، رقم: ۲۳۰۳

وأعطاني وسقًا أو نصف وسق من طعام.(۱)

’’ایک مرتبہ قحط نے مجھے آ لیا تو میں مدینے کے ایک باغ میں داخل ہو گیا اور ایک خوشہ توڑ کر پہلے خود کھایا اور پھر کچھ (اپنے اہلِ خانہ کے لئے) اپنے کپڑے میں ڈال لیا۔ اتنے میں باغ کا مالک آ گیا۔ اس نے ایک تو میری پٹائی کی اور پھر وہ پھل جو میں نے کپڑے میں باندھ رکھے تھے، اپنے قبضے میں لے لئے۔ پس میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے (سارا واقعہ سننے کے بعد مجھے کوئی سزا دینے کی بجائے) اسے فرمایا: جب یہ بیچارہ جاہل تھا تو تُو نے اسے تعلیم کیوں نہ دی۔ جب یہ بیچارہ بھوکا تھا تو اسے کھانے کو کیوں نہ دیا۔ اور اسے حکم دیا کہ اس کا کپڑا اسے واپس کر دو چنانچہ اس نے مجھے کپڑا واپس کر دیا اور آپ ﷺ کے حکم سے مجھے وسق (ایک اونٹ کا بوجھ) یا نصف وسق غلہ بھی دیا۔‘‘

آپ ﷺ نے نہ صرف شرعی قوانین کے نفاذ میں لوگوں کے معاشی مسائل کو مستحضر رکھا بلکہ عبادات میں بھی معاشی تنگی کا لحاظ رکھا۔ جس سے اسلام کی عطا کردہ نظریۂ حیات میں انسان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جاء رجل إلی رسول الله ﷺ فقال: هلكت، فقال: وما ذاک؟ قال: وقعت بأهلي في رمضان، قال: تجد رقبة؟ قال: لا، قال:

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب في بن السبيل يأكل من التمر ويشرب من اللبن إذا مرّ به، ۳: ۳۹، رقم: ۲۶۲۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب من مرّ علی ماشية القوم هل يصيب منه، ۲: ۷۷۰، رقم: ۲۲۹۸

۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ۴: ۱۴۸، رقم: ۷۱۸۲

فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟ قال: لا، قال: فتستطيع أن تطعم ستين مسكينًا؟ قال: لا، قال: فجاء رجل من الأنصار بعرق والعرق المكتل فيه تمر، فقال: اذهب بهذا فتصدق به، قال: على أحوج منّا يا رسول الله! والذي بعثک بالحق ما بين لابتيها أهل بيت أحوج منّا، وفي رواية فضحک النبي ﷺ حتى بدت أنيابه، ثم قال: أطعمه أهلک.(۱)

''ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے عرض کی: میں رمضان المبارک کے روزے میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس اتنا مال ہے جس سے کفارہ میں ایک غلام آزاد کر سکے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: پھر بیٹھ جا۔ اتنے میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا کسی نے لا کر خدمتِ نبوی ﷺ میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا یہ ٹوکرا لے جا اور اسے فقراء پر صدقہ کر دے۔

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الهبة وفضلها، باب إذا وهب هبة فقبضها الآخر ولم يقل قبلت، ۲: ۹۱۸، رقم: ۲۴۶۰

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب الصوم، باب إذا جامع في الرمضان ولم يکن له شيء فتصدق عليه فليکفر، ۲: ۶۸۴، رقم: ۱۸۳۴

۳۔ مسلم، الصحيح، کتاب الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في النهار رمضان على الصائم، ۲: ۷۸۱، رقم: ۱۱۱۱

۴۔ ترمذي، السنن، کتاب الصوم، باب ما جاء في کفارة الفطر في رمضان، ۳: ۱۰۲، رقم: ۷۲۴

اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وادی میں ہم سے بڑھ کر ضرورت مند گھر کوئی نہیں۔ اس کی یہ بات سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا: جا اپنے خانہ کو ہی یہ کھجوریں کھلا دے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ اور دیگر مہاجرین جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو اس وقت ان کو جو مسائل درپیش تھے ان میں سے ایک پانی کا مسئلہ بھی تھا۔ پورے شہر میں بئرِ رومہ کے علاوہ کہیں پانی نہ تھا۔ مگر اس کنویں کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ذریعہ معاش بنایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے مخیّر حضرات کو مسلمانوں کے لئے اس کی خریداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

۹۔ من يشتري بئر رومة فيجعل دلوه مع دلاء المسلمين بخير له منها في الجنة.(۱)

’’جو آدمی اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں اس سے کہیں بہتر کنواں عطا کرے گا۔‘‘

یہ سعادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میسر آئی کہ آپ رضی اللہ عنہ وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرنے پر تیار ہو گئے مگر کنویں کا مالک نصف حصہ فروخت کرنے پر آمادہ ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم کے عوض نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط طے پائی کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوگی اور دوسرے دن یہودی کی۔ اس طرح جس دن

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب المناقب، باب في مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ۵: ۶۲۷، رقم: ۳۷۰۳
۲۔ نسائي، السنن، كتاب الأحباس، باب وقف المساجد، ۶: ۲۳۵، رقم: ۳۶۰۸
۳۔ حلبي، السيرة الحلبية، ۲: ۲۶۸

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوتی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے کہ دو دن تک کے لئے وہ پانی کافی ہوتا۔ جب یہودی نے دیکھا کہ اس طرح خاطر خواہ نفع حاصل نہیں ہو رہا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقی نصف بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

یہی عمل ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا کی خدمت اور ان کی ضروریات کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے:

۱۰۔ **أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ كان يتعاهد عجوزاً كبيرة عمياء في بعض حواشي المدينة من الليل فيستسقى لها ويقوم بأمرها، وكان إذا جاءها وجد غيره قد سبقه إليها فأصلح ما أرادت، فجاءها غير مرة فلا يسبق إليها، فرصده عمر، فإذا هو بأبي بكر الصديق الذي يأتيها وهو خليفة، فقال عمر: أنت لعمري.**(۱)

”مدینہ کے اطراف میں ایک نابینا بڑھیا تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روزانہ علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے لئے پانی اور دیگر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ عرصے بعد آپ کو محسوس ہوا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آ کر یہ کام کر جاتا تھا ایک روز تحقیق کی غرض سے آپ کچھ رات گزرنے کے بعد وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ خلیفۂ اوّل یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر اس کے جھونپڑے سے نکل رہے تھے۔ آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بولے: اے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قسم ہے کیا آپ ہی روزانہ یہ کام کر جاتے ہیں۔“

(۱) هندي، كنز العمال، ۱۲: ۴۹۰ رقم: ۳۵۶۰۷

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس بات کا سخت اہتمام کر رکھا تھا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقے میں مبتلا نہ ہو۔ ملک میں جس قدر اپاہج یا مفلوج ہوں، ان کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں آدمی ایسے تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ خوراک کی مقدار کو متعین کرنے کے لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ۳۰ افراد کے لئے دو وقت کا کھانا تیار کرایا اور یوں یومیہ خرچ کا اندازہ لگا کر ان کے وظائف مقرر کر دیئے۔ ابو عبید (م ۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

۱۱۔ أن عمر رضی اللہ عنہ أمر بجريب من طعام فعجن، ثم خبز ثم ثرد بزيت، ثم دعا عليه ثلاثين رجلاً، فأكلوا من غداءهم حتى أصدرهم، ثم فعل بالعشاء مثل ذلك، وقال يكفي الرجل جريبان كل شهر، فكان يرزق الناس: المرأة، والرجل، والمملوك: جريبين كل شهر.(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جریب (تقریباً ۲۵ سیر) آٹا گوندھنے کا حکم دیا پھر اس کی روٹیاں پکوائیں اور ان روٹیوں کو زیتون کے تیل میں چور کر ثرید بنوایا۔ بعد ازاں تیس آدمیوں کو بلا کر دوپہر کو انہیں وہ ثرید کھلایا اور انہیں واپس بھیج دیا پھر شام کے کھانے پر بھی ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں کہنے لگے: فی کس ماہانہ خوراک کے لیے دو جریب غلہ کافی ہے۔ چنانچہ ہر فرد (مرد، عورت اور غلام) کا دو دو جریب غلہ ماہوار مقرر کر دیا گیا۔‘‘

۱۲۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے پیمانہ ہاتھ میں لے کر فرمایا:

إني قد فرضت لكل نفس مسلمة في كل شهر مدى حنطة وقسطي

---

(۱) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۱۴، رقم: ۶۱۲

۲۔ بلاذري، فتوح البلدان: ۴۴۶

خل، وقسطي زيت، فقال رجل: والعبيد؟ فقال عمر: نعم، والعبيد.(۱)

’’میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں، دو قسط سرکہ اور دو قسط زیتون کا تیل مقرر کر دیا ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا: کیا غلام کے لئے بھی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں غلام کے لئے بھی۔‘‘

۱۳۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم بلا تخصیصِ مذہب جاری کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے عامل کو ہدایت لکھی:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ والفقراء هم المسلمون، وهذا من المساكين من أهل الكتاب.(۲)

’’رب ذوالجلال کے فرمان: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ (بیشک صدقات فقراء و مساکین کے لئے ہیں) میں فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔‘‘

۱۴۔ مملکت کے عام شہریوں کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہتمامات کا یہ عالم تھا کہ ابن سعد (۱۶۸۔۲۳۰ھ) نے لکھا ہے:

اتخذ عمر دار الرقيق فجعل فيها الدقيق والسويق والتمر والزبيب وما يحتاج إليه يعين به المنقطع به والضيف ينزل بعمر ووضع عمر في طريق السبل ما بين مكة والمدينة ما يصلح من ينقطع به.(۳)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سٹور یا لنگر خانہ بنوایا جس میں آٹا، جو، کھجور، پنیر اور

---

(۱) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۱۴، رقم: ۶۱۳

۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۴۴۷

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۶

(۳) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳: ۲۸۳

دیگر ضروریات کی چیزیں رکھوائیں۔ جس سے آپ مسافروں اور بھولے بھٹکوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیان راستے میں سرائیں بنوائیں جہاں مسافر آکر آرام کرتے تھے۔‘‘

۱۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نومولود بچوں کے حقِ خوراک کو سمجھتے ہوئے ان کے لئے بھی وظیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

كان عمر لا يفرض للمولود حتى يفطم قال: ثم أمر منادياً فنادى: لا تعجلوا أولادكم عن الفطام، فإنا نفرض لكل مولود في الإسلام، قال: وكتب بذلك في الآفاق بالفرض لكل مولود في الإسلام. (۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نومولود بچے کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہ کرتے تھے جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑا دیا جاتا، راوی کہتے ہیں: لیکن بعد میں انہوں نے منادی کرا دی کہ اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، ہم ہر مسلمان بچے کی پیدائش کے وقت سے ہی اس کا وظیفہ جاری کریں گے۔ یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان کے ہر بچے کا اس کی پیدائش سے ہی وظیفہ مقرر کر دو۔‘‘

۱۶۔ ۱۸ھ میں مدینہ اور اس کے اطراف واکناف میں مشہور قحط پڑا جس کی وجہ سے اس سال کا نام تاریخِ اسلام میں ’’عام الرمادۃ‘‘ پڑ گیا۔ اسلامی ریاست کے لئے یہ ایک آزمائش کا موقع تھا۔ اس موقع پر جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کمال احساسِ ذمہ داری سے عامۃ الناس کی مشکلات دور کرنے کے لئے تگ و دو کی وہ مسلمان حکمرانوں کے

---

(۱) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۰۲، رقم: ۵۸۳

۲۔ بلاذري، فتوح البلدان: ۴۴۵

لئے ہمیشہ ایک نمونہ رہے گی۔ آپ ﷛ نے مدینہ میں غذائی اجناس کی عام تقسیم کی اور سرکاری طور پر ہزاروں افراد کے لئے کھانا پکوا کر دونوں وقت کھلانے کا انتظام کیا۔ مصرو شام اور دوسرے علاقوں سے غلہ، آٹا، چربی، تیل اور دوسری اشیائے ضرورت منگوائیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مویشی اور اونٹ باہر سے منگوا کر ذبح کروائے اور پورے قحط زدہ علاقے میں اعلان کروا دیا کہ باہر سے آنے والے ان سرکاری قافلوں سے ضرورت کے مطابق چیزیں لے لیں۔ آپ ﷛ نے قحط کا مقابلہ جنگی بنیادوں پر کیا۔ آپ ﷛ نے ذاتی طور پر تمام انتظامات کی نگرانی کی اور اس حد تک ہر انتظام کو انجام دیا کہ لوگ کہہ رہے تھے:

لو لم يرفع الله المحل عام الرمادة لظننا أن عمر يموت همًّا بأمر المسلمين. (۱)

''اگر اللہ عام الرمادہ میں قحط دور نہ کرتا تو ہمیں اندیشہ تھا کہ حضرت عمر ﷛ مسلمانوں کے اس مسئلہ میں فکر کرتے کرتے مر جاتے۔''

١٧۔ أن عمر بن الخطاب ﷛ مرّ برجل وهو يأكل بشماله وعمر يقوم على الناس وهم يأكلون فقال له: كل بيمينك يا عبد الله! قال: إنها مشغولة، ثم مرّ به الثانية، فقال: مثل ذلك، ثم مرّ به الثالثة، فقال: مثل ذلك، فقال: شغل ماذا؟ قال: قطعت يوم موته، قال: ففزع عمر لذلك فقال: من يغسل ثيابك، من يدهن رأسك، من يقوم عليك، قال: فعدد عليه بمثل هذا ثم أمر له بجارية وراحلة طعام ونفقة. (۲)

''(اس قحط کے سال میں ایک دفعہ) حضرت عمر ﷛ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے (ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے گشت کر رہے تھے کہ) آپ ﷛ نے ایک شخص کو

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳: ۳۱۵

(۲) أبو يوسف، كتاب الآثار، ۱: ۲۰۸، رقم: ۹۲۷

دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے جواب دیا: ’’وہ مشغول ہے۔‘‘ آپ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے۔ جب دوبارہ گزرے تو پھر وہی فرمایا اور اس شخص نے وہی جواب دیا۔ جب تین بار اس شخص نے یہی جواب دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تیرا دایاں ہاتھ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ موتہ کی لڑائی میں کام آ گیا۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور پاس بیٹھ کر اس سے پوچھنے لگے کہ تمہارے کپڑے کون دھوتا ہے؟ تمہارے سر میں تیل کون لگاتا ہے؟ تیری ضروریات کون پوری کرتا ہے؟ اور فلاں فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے ایک ملازم لگوایا، اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامانِ ضرورت بھی دلوایا۔‘‘

۱۸۔ ان تمام اہتمامات کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو رعایا کے احوال کی فکر دامن گیر رہتی تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لئن عشت إن شاء الله لأسيرن في الرعية حولاً، فإني أعلم أن للناس حوائج تقطع عني، أما هم فلا يصلون إليّ، وأما عمالهم فلا يرفعونها إليّ، فأسير إلى الشام، فأقيم بها شهرين، ثم أسير إلى مصر، فأقيم بها شهرين، ثم أسير إلى البحرين، فأقيم بها شهرين، ثم أسير إلى الكوفة، فأقيم بها شهرين، ثم أسير إلى البصرة، فأقيم بها شهرين.(۱)

’’اگر زندگی نے مہلت دی اور میرے مولا نے چاہا تو میں پورا سال رعایا میں سفر کر کے گزاروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کو مشکلات مجھ سے روک لیتی ہیں اور وہ مجھ تک نہیں پہنچ پاتے اور عمال بھی ان کی (شکایات و مشکلات) کو مجھ

(۱) ابن جوزي، مناقب عمر بن الخطاب: ۱۲۱

تک نہیں پہنچاتے۔ پس میں شام جاؤں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر میں مصر جاؤں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر بحرین جا کر دو ماہ قیام کروں گا، پھر دو ماہ کوفہ جا کر ٹھہروں گا اور پھر دو ماہ بصرہ میں قیام کروں گا (تاکہ عوام کے مسائل کو جان سکوں لیکن موت نے آپ کو اس کی مہلت نہ دی)۔‘‘

۲۔ حقِ لباس

ارشادِ ربانی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ (۱)

’’اے اولادِ آدم! بیشک ہم نے تمہارے لئے (ایسا) لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپائے اور (تمہیں) زینت بخشے اور (اس ظاہری لباس کے ساتھ ایک باطنی لباس بھی اتارا ہے اور وہی) تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔ یہ (ظاہر و باطن کے لباس سب) اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۝‘‘

لباس کی فراہمی بھی بنیادی ضروریاتِ زندگی میں شامل ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ سے متعدد ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مندوں کو لباس کی فراہمی کا اہتمام بھی فرمایا اگرچہ آپ ﷺ کو اس حوالے سے خود تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

بينا رسول الله ﷺ جالس إذ أتاه صبي فقال: إن أمي تستكسيك درعاً فقال: من ساعة إلى ساعة يظهر فعد إلينا فذهب إلى أمه فقالت: قل له أن أمي تستكسيك الدرع الذي عليك. فدخل ﷺ داره ونزع قميصه وأعطاه وقعد عريانا

(۱) الاعراف، ۷: ۲۶

وأذن بلال وانتظر فلم يخرج ﷺ إلى الصلاة. (۱)

’’ایک خاتون نے اپنا لڑکا آپ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے قمیص عطا کر دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت نہیں پھر کسی وقت آ جانا۔ لڑکا واپس گیا تو اس کی ماں نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کہو اگر اور قمیص نہیں تو آپ ﷺ کے جسم پر تو ہے۔ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور قمیص اتار کر لڑکے کے حوالے کر دی۔ اب مزید کوئی کپڑا نہ ہونے کے سبب آپ ﷺ گھر میں ہی بیٹھے رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ ﷺ نماز کے لئے بھی باہر تشریف نہ لا سکے۔ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تشویش ہوئی جب تحقیق کی تو اصل صورت حال معلوم ہوئی)۔‘‘

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ:

(۱) عورت کا آپ ﷺ سے قمیص کا تقاضا کرنا اس امر کا اظہار ہے کہ اسلامی معاشرے کے ایک عام فرد کو بھی اس حقیقت کا علم تھا کہ کفالتِ عامہ کی ذمہ داری سربراہِ مملکت پر ہے۔

(۲) آپ ﷺ نے کوئی دوسرا لباس نہ ہونے کے باوجود اپنا کرتا مبارک عورت کے حوالے کر کے مسلمان سربراہِ مملکت کے لئے ایک عملی مثال قائم فرما دی کہ رعایا کی خبرگیری اور ان کی بنیادی ضروریات کی کفالت کے لئے سربراہِ مملکت کو کس حد تک اہتمام کرنا چاہتے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ آلوسي، روح المعاني، ۱۵: ۶۵
۲۔ بغوي، معالم التنزيل، ۳: ۱۱۲

أتى صاحب بز فاشترى منه قميصًا بأربعة دراهم فخرج وهو عليه فإذا رجل من الأنصار فقال: يا رسول الله! اكسني قميصًا كساك الله من ثياب الجنة. فنزع القميص فكساه إياه ثم رجع إلى صاحب الحانوت فاشترى منه قميصًا بأربعة دراهم.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے کپڑے کے ایک تاجر سے چار درہم میں ایک قمیص خریدا۔ اسے زیب تن فرما کر آپ ﷺ باہر نکلے ہی تھے کہ ایک انصاری سامنے آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے قمیص پہنائیے (شاید وہ ننگے جسم تھا) اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے کپڑوں میں سے قمیص پہنائے۔ آپ ﷺ کے پاس اور تو کوئی قمیص نہ تھا وہی قمیص اتارا اور اس انصاری کو پہنا دیا۔ پھر دکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے اپنے لئے مزید ایک قمیص چار درہم کے عوض خریدا۔‘‘

۳۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

إن امرأة جاءت النبي ﷺ ببردة منسوجة فيها حاشيتها، قالت نسجتها بيدي فجئت لأكسوكها فأخذها النبي ﷺ محتاجاً إليها فخرج إلينا وإنها إزاره فحسنها فلان فقال: اكسنيها ما أحسنها قال القوم ما أحسنت لبسها النبي ﷺ محتاجاً إليها ثم سألتها وعلمت أنه لا يرد، قال: إني والله ما سألته لألبسه إنما سألته لتكون كفني.(۲)

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۳۴۱، رقم: ۱۳۶۰۷
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۹: ۱۳
۳۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۶: ۳۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي ﷺ فلم ينكر عليه، ۱: ۴۲۹، رقم: ۱۲۱۸ ←

’’ایک خاتون حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک بُنی ہوئی چادر لائیں، اس کے حاشیے ابھی تک جوں کے توں تھے (یعنی نئی تھی)، اس عورت نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بُنا ہے اور آپ ﷺ کو پہنانے کے لئے لائی ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے وہ کپڑا قبول کر لیا جیسے آپ ﷺ کو اس کی ضرورت رہی ہو پھر اسے ازار کے طور پر باندھ کر باہر تشریف لائے تو ایک صاحب نے اس کی تعریف کی اور کہا کہ بڑی اچھی چادر ہے آپ ﷺ مجھے عنایت فرما دیجئے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ آپ نے (مانگ کر) کچھ اچھا نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ضرورت کی وجہ سے پہنا تھا اور آپ نے مانگ لیا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کسی سوال کو رد نہیں کرتے۔ ان صاحب نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نے اپنے پہننے کے لئے آپ ﷺ سے چادر نہیں مانگی بلکہ میری تو یہ آرزو تھی کہ اس چادر سے میں اپنا کفن بناؤں۔‘‘

۳۔ حقِ رہائش

انسانی زندگی کی بقا کے لئے حقِ رہائش بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ رہائش و سکونت کی فراہمی کی اہمیت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمت کے طور پر بیان فرمایا:

وَاللهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُم مِّنْ جُلُودِ الْاَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اللباس، باب لباس رسول الله ﷺ، ۲: ۱۱۷۷، رقم: ۳۵۵۵

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۳، رقم: ۲۲۸۷۶

وَ اَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِيْنٍo [1]

’’اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو (مستقل) سکونت کی جگہ بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے (عارضی) گھر (یعنی خیمے) بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے وقت اور (دورانِ سفر منزلوں پر) اپنے ٹھہرنے کے وقت ہلکا پھلکا پاتے ہو اور (اسی اللہ نے تمہارے لئے) بھیڑوں اور دنبوں کی اون اور اونٹوں کی پشم اور بکریوں کے بالوں سے گھریلو استعمال اور (معیشت و تجارت میں) فائدہ اٹھانے کے اسباب بنائے (جو) مقررہ مدت تک (ہیں)o‘‘

دوسرے مقام پر حقِ رہائش سے محروم کر دینے کو کفار کی روش قرار دیا کہ یہ کافرانہ عمل ہے کہ افرادِ معاشرہ کو حقِ رہائش و سکونت سے محروم کر دیا جائے:

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللهُ. [2]

’’(یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی انہوں نے باطل کی فرمانروائی تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا)۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی مناسب رہائش کو انسان کا بنیادی حق قرار دیا، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ليس لإبن آدم حق في سوى هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز. [3]

(۱) النحل، ۱۶: ۸۰

(۲) الحج، ۲۲: ۴۰

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۰، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۷۴، رقم: ۷۸۶۶ ←

’’ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی ضروری حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی اور پانی۔‘‘

ابن حزم (م ۴۵۶ھ) نے جہاں غریبوں کی کفالت کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری بھی امراءِ علاقہ پر عائد کی ہے۔ ان کے نزدیک بھی بنیادی ضروریات حقِ خوراک، حقِ لباس اور حقِ رہائش ہی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

فیقام لهم بما یأکلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذلک وبمسکن یکنهم من المطر والصیف والشمس وعیون المارة.(۱)

’’ان کی ضروریات میں زندگی کی بقا کے لئے ضروری کھانا، سردیوں اور گرمیوں کا لباس اور ایک ایسا گھر (شامل ہے) جو ان کو بارش (کے پانی)، گرمی، دھوپ اور گزرنے والوں کی تانک جھانک سے محفوظ رکھے۔‘‘

۴۔ حقِ معاش (روزگار)

اسلامی ریاست میں نہ صرف بنیادی ضروریات کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جن کا مفصل تذکرہ اوپر گزر چکا، بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اسوۂ حسنہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر معاشرے کے ضرورت مند اور مستحق افراد کو مالی کفالت کی ضرورت ہو تو ریاست اس کا بھی اہتمام کرے تاکہ افرادِ معاشرہ معاشی مجبوریوں کے شکنجوں سے نجات حاصل کرسکیں اور اپنے قدموں پر کھڑا ہوکر اپنی معاشی تخلیق کے عمل کو شروع کرسکیں۔

۱۔ جب فتوحات ہونے لگیں اور بیت المال میں مال غنیمت آنے لگا تو آپ ﷺ

۳۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۴۶، رقم: ۴۶

۴۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۵: ۱۵۷، رقم: ۶۸۰

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

نے آیت قرآنی - ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (۱) - کا حوالہ دیتے ہوئے عام اعلان فرمایا:

فأيما مؤمن مات وترک مالاً فليرثه عصبته من کانوا فإن ترک دينًا أو ضياعاً فلياتني وأنا مولاه. (۲)

’’جو مؤمن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے جو کوئی بھی ہوں گے اور اگر وہ اپنے ذمہ دین (قرض) یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں اور میں ہی ان کا والی ہوں (یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا)۔‘‘

۲۔ فأيکم ما ترک دينا أو ضيعة فادعوني فأنا وليه. (۳)

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب التفسير، باب اَلنَّبِيُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۴۵۰۳

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الفرائض، باب ما جاء من ترك مالاً فلورثته، ۴: ۴۱۳، رقم: ۲۰۹۰

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۸، رقم: ۱۶۱۹

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الفرائض، باب في ميراث ذوي الأرحام، ۳: ۱۲۳، رقم: ۲۹۰۰

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۲۹۱، رقم: ۱۵۲۶۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۸، رقم: ۸۲۱۹

’’تم میں سے جو آدمی قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائے تو مجھے بلاؤ، بیشک قرض اور بچوں کے معاملے میں اس کا میں ولی ہوں۔‘‘

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أتی النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمال من البحرین، فقال: انثروه في المسجد، و کان أکثر مال أُتی به رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فخرج رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلی الصلاة ولم یلتفت إلیه، فلما قضی الصلاة جاء فجلس إلیه، فما کان یری أحدًا إلا أعطاه، ...... فما قام رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم منها درهم.(۱)

’’بحرین سے خراج اور جزیئے کا مال بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس مال کو مسجد (کے صحن) میں پھیلا دو۔ بقول راوی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جتنے بھی اموال آئے ان میں یہ سب سے زیادہ تھا (محدثین نے ایک لاکھ درہم کا اندازہ لگایا ہے) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب نماز ہو چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال کے پاس بیٹھ گئے۔ پس جو بھی نظر آتا اسے ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتے ...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک نہ اٹھے جب تک سارا مال تقسیم نہ ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔‘‘

...... ۵۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۲۰۱، رقم: ۱۱۹۱۰

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الصلاة، باب القسمة وتعلیق القنو في المسجد، ۱: ۱۶۲، رقم: ۴۱۱

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب الجزیة والموادعة، باب ما أقطع النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من مال البحرین، ۳: ۱۱۵۴، رقم: ۲۹۹۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۳۵۶، رقم: ۱۲۸۰۷

اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے ریاست کی جملہ آمدنی اور محاصل آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھے مگر آپ ﷺ نے اس تمام تر آمدنی کو شخصی تصرف میں لانے کی بجائے مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کی ساری رقم بھی اپنے اور اپنے اہل وعیال اور خاندان بنو ہاشم پر حرام فرما دی اور اسے بحکمِ الٰہی غرباء اور اہلِ حاجت کا حق قرار دیا۔

۴۔ قال رسول الله ﷺ: ما أوتيكم من شيء وما أمنعكموه إن أنا إلا خازن أضع حيث أمرت.(۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ میں صرف خزانچی ہوں جس جگہ صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں ہی صرف کرتا ہوں۔‘‘

آپ ﷺ کا یہ فرمان مبارک دراصل مسلمان حکمرانوں کے لئے صرفِ خرچ کے باب میں ایک رہنما اصول فراہم کرتا ہے۔

۵۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إن رجلاً جاء إلی رسول الله ﷺ فسأله أن يعطيه فقال النبي ﷺ: ما عندي شيء ولکن ابتع علّي فإذا جاءني شيء قضيته، فقال عمر: يا رسول الله! قد أعطيته فما کلفک الله ما لا تقدر

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۹
۲۔ إسحاق بن راهويه، المسند، ۱: ۴۲۵، رقم: ۴۸۶
۳۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۴۰: ۵۱
۴۔ مناوي، فيض القدير، ۵: ۴۳۰

عليه، فكره النبي ﷺ قول عمر، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أنفق ولا تخف من ذي العرش إقلالاً. فتبسم رسول الله ﷺ وعرف البشر في وجهه لقول الأنصاري ثم قال: بهذا كما أمرت.(۱)

’’ایک مرتبہ ایک حاجت مند حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ مجھے کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز نہیں البتہ جو کچھ لینا چاہتے ہو میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کوئی چیز آ جائے گی تو میں ادائیگی کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اس وقت حاضرِ خدمت تھے، نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ جس چیز پر قدرت نہیں رکھتے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس نہیں، اللہ نے جب آپ ﷺ کو اس کا مکلّف نہیں کیا تو آپ ﷺ خواہ مخواہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس ناگواری کو دیکھا تو عرض کی: یا رسول اللہ! آپ خرچ فرماتے رہیں اور عرش والے مالک سے کسی قسم کی کمی کا خوف نہ فرمائیں۔ انصاری کی یہ بات سنتے ہی آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔‘‘

۶۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبد اللہ بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے انہوں نے مدینہ منورہ کے ایک سرمایہ دار یہودی سے تیس وسق قرض لے رکھا تھا۔ اتفاقاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کھجوریں کم پھل لائیں جس سے یہودی کا قرض پورا نہیں ہوتا تھا۔

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴
۲۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۱: ۱۸۰، رقم: ۸۸
۳۔ قرشي، مكارم الأخلاق، ۱: ۱۱۸، رقم: ۳۹۰

یہودی نے تقاضا کیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور سفارش کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ تو اپنے قرض کے بدلے جابر رضی اللہ عنہ کے باغ کی ساری کھجوریں لے لے اور اس پر اکتفا کر لے مگر یہودی کسی طور نہ مانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے باغ میں تشریف لے گئے اور باغ کے درختوں کے درمیان چلے پھرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین مبارک کی تاثیر تھی کہ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باغ میں داخل ہوئے تمام درختوں کے خوشے کھجوروں سے لبریز ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب کھجوریں اتارو اور یہودی کا قرض ادا کر دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں کاٹیں اور قرض خواہ کی تیس وسق کھجوریں ادا کیں پھر بھی سترہ وسق کھجوریں بچ گئیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی بتا دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو انہوں نے فرمایا:

لقد علمت حين مشى فيها رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ليباركن فيها. (۱)

’’مجھے اسی وقت یقین ہوگیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باغ میں چلے تھے کہ کھجوروں میں ضرور بالضرور برکت ہو گی۔‘‘

۷۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإستقراض و أداء الديون والحجر والتفليس، باب إذا قاص أو جازفه في الدين تمرًا بتمر أو غيره، ۲: ۸۴۴، رقم: ۲۲۶۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الصدقات، باب إداء الدين عن الميت، ۲: ۸۱۳، رقم: ۲۴۳۴

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۹: ۶۷، رقم: ۹۱۴۳

أصيب رجل في عهد رسول الله ﷺ في ثمار ابتاعها فكثر دينه فقال رسول الله ﷺ: تصدقوا عليه، فتصدق الناس عليه، فلم يبلغ ذلک وفاء دينه، فقال رسول الله ﷺ لغرمائه: خذوا ما وجدتم وليس لكم إلا ذلک.(۱)

’’عہدِ نبوی ﷺ میں ایک آدمی کو پھلوں کی تجارت میں کسی وجہ سے نقصان ہو گیا۔ تجارت میں خسارے کی وجہ سے وہ مقروض ہو گیا اور قرض خواہ اسے پریشان کرنے لگے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کی یہ پریشانی دیکھی نہ گئی آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ صدقہ خیرات کر کے اس بیچارے کو اس مصیبت سے نکالو۔ حکم ملنے کی دیر تھی سب نے حسبِ استعداد اس کی امداد کی مگر ساری رقم ملا کر بھی اس کے قرض کی رقم کے برابر نہ ہو سکی۔ اب آپ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا: (تم لوگ بھی کچھ ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرو) جو کچھ اس کے پاس موجود ہے وہ لے لو اور باقی چھوڑ دو۔‘‘

یہ واقعہ فتوحات اور خوشحالی سے پہلے کا ہے جب فتوحات ہونے لگیں تو آپ ﷺ نے عام اعلان فرما دیا کہ جو آدمی قرض چھوڑ کر مرے اور اسے اتارنے کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑے تو اس کا قرض ادا کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ فتوحات اور خوشحالی کے بعد تو آپ ﷺ کی عنایات میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ’’صحیح مسلم‘‘ میں ہے:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، ۳: ۱۱۹۱، رقم: ۱۵۵۶

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء تحل له الصدقة من الغارمين وغيرهم، ۳: ۴۴، رقم: ۶۵۵

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الإجارة، باب في وضع الجائحة، ۳: ۲۷۶، رقم: ۳۴۶۹

۸۔ إن رجلاً سأل النبي ﷺ غنمًا بين جبلين، فأعطاه إياه، فأتى قومه فقال: أي قوم! أسلموا، فواللہ إن محمدًا ليعطي عطاءً ما يخاف الفقر.(۱)

”ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ سے بکریوں کا وہ ریوڑ مانگا جو پہاڑوں کے درمیان چر رہا تھا، آپ ﷺ نے سارا ریوڑ اسے عطا فرما دیا (اسے اس قدر بخشش کی امید نہ تھی) وہ جب یہ ریوڑ لے کر اپنے قبیلے میں واپس پہنچا تو کہنے لگا لوگو! اسلام قبول کر لو کیونکہ پیغمبرِ اسلام اتنے فیاض اور سخی ہیں کہ جب دینے پر آتے ہیں تو کسی قسم کے فقر اور تنگ دستی سے نہیں ڈرتے۔“

۹۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ربیعہ! کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نہیں چاہتا کہ کوئی چیز مجھے آپ ﷺ کی خدمت سے غافل کر دے۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ کچھ دن بعد پھر مجھ سے پوچھا: ربیعہ! کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک تو میں نہیں چاہتا کہ کوئی مصروفیت مجھے آپ کی خدمت سے غافل کرے دوسرا میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ بیوی کو مہر بھی دے سکوں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ایک دن پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ربیعہ! کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کیا: حضور مجھے کون رشتہ دے گا؟ میرے پاس تو اتنا پیسہ بھی نہیں کہ بیوی کو دے سکوں۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب ما سئل النبي ﷺ شيئًا قط فقال لا وكثرة عطائه، ۴: ۱۸۰۶، رقم: ۲۳۱۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۵۹، رقم: ۱۳۷۵۶

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۶: ۵۶، رقم: ۳۳۰۲

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۸۷، رقم ۶۳۷۳

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۹، رقم: ۱۲۹۶۷

آپ ﷺ نے فرمایا:

انطلق إلى آل فلان، حيّ من الأنصار، فقل لهم: إن رسول الله ﷺ أرسلني إليكم يأمركم أن تزوجوني فلانة.(۱)

’’جا فلاں انصاری قبیلہ کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ مجھ سے اپنی فلاں لڑکی کا نکاح کر دو۔‘‘

انہوں نے پیغامِ نکاح سن کر حضور نبی اکرم ﷺ کو اور مجھے مرحبا کہا اور مجھے اپنی لڑکی نکاح کر کے دے دی۔ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اب حق مہر کہاں سے دوں؟ آپ ﷺ نے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ربیعہ کے لئے ایک گٹھلی کے برابر سونے کا انتظام کرو۔ انہوں نے سونا جمع کر کے مجھے دیا اور میں نے لا کر اپنی بیوی کے گھر والوں کو دے دیا۔ میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! اب ولیمہ کہاں سے کروں؟ آپ ﷺ نے پھر بریدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ربیعہ رضی اللہ عنہ کے لئے ایک مینڈھے کی قیمت کا انتظام کرو۔ انہوں نے فوراً مینڈھے کا انتظام کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان کے پاس جو جَو ہیں وہ لے آؤ۔ میں گیا تو انہوں نے تمام جَو میرے حوالے کر دیئے حالانکہ کاشانۂ نبوی ﷺ میں اس کے سوا شام کے کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ میرے سسرال والوں نے کہا کہ جو ہم تیار کر دیتے ہیں اور وہ مینڈھا اپنے ساتھیوں سے ذبح کروا کر کھا لو۔ اس طرح ولیمہ تیار ہو گیا۔

قرآن مجید کی عطا کردہ معاشی تعلیمات، جن کی عملی تعبیر و تشریح سیرتِ نبوی ﷺ سے میسر آتی ہے اور جن پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے مبارک ادوار میں

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۵۸، رقم: ۱۶۵۷۷

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۸۸ رقم: ۲۷۱۸

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۲۵۶، رقم: ۷۳۳۴

عمل کر کے ملتِ اسلامیہ کے لئے عملی مثال قائم کی، سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مثالی فلاحی معاشرے اور فلاحی ریاست کا قیام اسلام کی عطا کردہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے۔ جہاں افرادِ معاشرہ کو ہر نوع کا معاشی تحفظ عطا کیا گیا ہو تا کہ وہ معاشی تعطل سے نکل کر تخلیق کی راہ پر گامزن ہو سکیں جس میں انفرادی اور قومی ارتقاء کا راز مضمر ہے۔

۵۔ حقِ تعلیم

تعلیم کسی بھی ملت کے افراد کا وہ شعبہ ہے جس پر ان کے معاش و معاد کا زیادہ تر دار و مدار ہوتا ہے۔ اسلام میں تعلیم و تربیت کے حق کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی پہلی وحی کا آغاز لفظ ''اِقرأ'' سے ہوا جو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے نازل ہونے والے اس پہلے حکم کے مطابق اسلام میں تعلیم و تربیت حاصل کرنا حق ہی نہیں فرض ہے۔ اسلامی ریاست اس امر کی پابند ہے کہ وہ شہریوں کو وہ تمام سہولتیں فراہم کرے جو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ضروری ہیں اس طرح:

۱۔ ہر شخص اپنی فطری صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کا حق دار ہے۔

۲۔ ہر شخص اپنے پیشے اور مستقبل کے مشاغل منتخب کرنے کا آزادانہ حق رکھتا ہے۔ اسے اپنی فطری صلاحیتوں کے بھرپور اظہار کا موقع دیا جائے۔ اس سلسلہ میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لیے حصولِ تعلیم کے مواقع فراہم کرے۔

فرد کی زندگی میں تعلیم کی اہمیت سے سرِمُو انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے اس حقیقت کو آغاز ہی سے تسلیم کیا ہے چنانچہ پیدائشِ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے

جس بخشش و عنائت سے انہیں نوازا گیا وہ علم ہی تھا ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

۱۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا.(۱)

’’اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے۔‘‘

یہ علم ہی کا عرفان تھا کہ انسان دیگر مخلوقات سے ممیّز ہوا اور خلیفۃ اللہ ہونے کا شرف حاصل کیا:

۲۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً.(۲)

’’اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔‘‘

اسی علم ہی نے انسان کو مسجودِ ملائکہ ہونے کا شرف عطا کیا اور اشرف المخلوقات بنایا:

۳۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا.(۳)

’’اور (وہ وقت بھی یاد کریں) جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا۔‘‘

۴۔ چونکہ علم قیادت کا ایک خاصہ ہے اس لیے امتِ مسلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ.(۴)

---

(۱) البقرة، ۲: ۳۱

(۲) البقرة، ۲: ۳۰

(۳) البقرة، ۲: ۳۴

(۴) آل عمران، ۳: ۱۱۰

’’تم بہترین اُمت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

۵۔ یہ ان بنیادی عوامل میں سے ہے جو کسی بھی قوم یا تہذیب کی مثبت ترقی و عروج کے لیے ضروری ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام نے حصولِ علم اور ترسیلِ علم کو فرد کی اولین ضرورت قرار دیا اور اس میں ہمہ وقت اضافہ کی تلقین کی اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا○[1]

’’اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے۔‘‘

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا تاج اور مرتبہ عطا کرنے کے بعد اللہ رب العزت نے جو اہم ذمہ داریاں سونپیں ان میں تعلیم، دعوت و تبلیغ اور کردار سازی (تربیت) اہم ہیں۔ اِسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

إنما بعثت معلمًا.[2]

’’بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔‘‘

۲۔ اپنی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآں ہونے کی غرض سے آپ ﷺ نے تلاوتِ کتاب، تعلیم و حکمت، تشریح و توضیحِ کلامِ الٰہی، تزکیہ نفس اور کردار سازی پر خصوصی توجہ دی۔ حصولِ علم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) طه، ۲۰: ۱۱۴

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ۱: ۸۳، رقم: ۲۲۹

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۱۱۱، رقم: ۳۴۹

۳۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۵: ۱۱۸

طلب العلم فريضة علی كل مسلم و مسلمة. (۱)

’’علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔‘‘

۳۔ دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

من خرج في طلب العلم كان في سبيل اللہ حتی يرجع. (۲)

’’جو علم کے حصول کے لئے نکلتا ہے وہ اس وقت تک اللہ کی راہ میں رہتا ہے جب تک واپس نہ لوٹ آئے۔‘‘

۴۔ حصولِ علم کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

من طلب العلم كان كفارة لما مضی. (۳)

’’جس نے علم حاصل کیا تو وہ (علم) اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔‘‘

۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ حاجي خليفة، كشف الظنون، ۱: ۵۶
۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ۱: ۸۱
۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۲۸۹، رقم: ۲۰۰۸

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب العلم، باب فضل طلب العلم، ۵: ۲۹، رقم: ۲۶۴۷
۲۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۶: ۱۲۵، رقم: ۲۱۲۰

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب العلم، باب فضل طلب العلم، ۵: ۲۹، رقم: ۲۶۴۸
۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۱۴۹، رقم: ۵۶۱

اطلبوا العلم ولو بالصين.[1]

”علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی جانا پڑے۔“

ان احادیث کے علاوہ بے شمار احادیث نبوی ﷺ کتبِ احادیث میں موجود ہیں جن میں حصولِ علم کی ترغیب دی گئی ہے اورعلم اور اہلِ علم کی منقبت، مرتبہ اورعزت و شرف بیان کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے تاحیات ترسیل و اشاعتِ علم پر توجہ دی۔ مقامِ صفہ پر تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا، غزوہ بدر کے تعلیم یافتہ قیدیوں کا فدیہ مسلمان بچوں کو تعلیم دینا مقرر فرمایا، مساجد میں مدارس کا قیام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی تعلیم دینے کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجا اورعمال (گورنروں) کواشاعتِ علم کی ہدایات اہم امثلہ ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہے کہ تعلیم انسانی زندگی کا جزو لاینفک ہے جس کے بغیر انفرادی، اجتماعی اور ملی ترقی ناممکن ہے اس لیے ریاست کا فرض ہے کہ وہ عوام الناس کے لیے حصولِ تعلیم کا اہتمام کرے اوران کا یہ پیدائشی حق فراہم کرنے میں کما حقہ انتظام و انصرام کرے۔

حقِ تعلیم کی فراہمی میں ریاست کے کردار کے بارے میں شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔ ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:

و احياء علوم الدين كند بنفس خود قدرے كه ميسر شود مقرر سازد مدرسين درهر بلدى چنانچه حضرت عمر رضی اللہ عنہ عبد اللّٰه ابن مسعود رضی اللہ عنہ را با جماعته كوفه نشاند ومعقل

(۱) ۱۔ بزّار، المسند، ۱: ۱۷۵، رقم: ۹۵

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۲۵۳، رقم: ۱۶۶۳

بن یسار رضی اللہ عنہ عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ ابن معقل بر بصرہ فرستاد۔[۱]

”اور خلیفہ پر واجب ہے کہ جس قدر ہو سکے علوم دینیہ کو قائم رکھے اور ہر شہر میں مدرسین کو مقرر کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کوفہ میں مقرر کیا اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ ابن معقل رضی اللہ عنہ کو تعلیم و تدریس کے لئے بصرہ بھیجا۔“

٦۔ حقِ علاج

اسلام ہر فردِ معاشرہ کو ایسا سماجی مقام دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاشرے کا ایک جزو تصور کرے، جہاں اس کے ماحول کا ہر فرد اس کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اس کا ہمہ گیر احاطہ کرتی ہیں۔ مریض جو قدرتی معذوری کے سبب معاشرے کا عضوِ فعال نہیں رہتا، اس امر کا مستحق ہے کہ اسے بھرپور توجہ دی جائے۔ اسلام نے مریض کو وہ حقوق عطا کئے ہیں جو کسی دوسرے معاشرے میں نہیں دیکھے جا سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افرادِ معاشرہ کو مریض کے معاشرتی، نفسیاتی، طبی اور سماجی حقوق کے تحفظ کی تلقین فرمائی کہ نہ صرف مریض کی صحت یابی کے لئے جملہ اقدامات کئے جائیں بلکہ اس کے نفسیاتی و سماجی مورال (Morale) کو بھی بلند رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں مریض کی عیادت کو مستحسن فعل اور اس کو مریض کا حق قرار دیا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

حق المسلم على المسلم خمس رد السلام وعيادة المريض واتباع الجنائز وإجابة الدعوة وتشميت العاطس.[۲]

---

(۱) شاه ولي الله، ازالة الخفاء عن خلافت الخلفاء، ۱: ۳٦

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، ۱: ۴۱۸، رقم: ۱۱۸۳

←

’’ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔‘‘

۲۔ حقِ عیادت مریض کا مورال بلند رکھنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے، اس کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

إن المسلم إذا عاد أخاه المسلم لم يزل في خرفة الجنة حتى يرجع. (۱)

’’جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو لوٹنے تک گویا وہ جنت کے باغات میں ہوتا ہے۔‘‘

۳۔ حضرت ثویر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

أخذ علي رضی اللہ عنہ بيدي، قال: انطلق بنا إلى الحسن نعوده. فوجدنا عنده أبا موسى، فقال علي رضی اللہ عنہ: أ عائداً جئت، يا أبا موسى! أم

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، ۴: ۱۷۰۴، رقم: ۲۱۶۲

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في العاطس، ۴: ۳۰۷، رقم: ۵۰۳۰

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل عيادة المريض، ۴: ۱۹۸۹، رقم: ۲۵۶۸

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۴۴۳، رقم: ۱۰۸۳۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۷۹، رقم: ۲۲۴۶۰

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۲۲۳، رقم: ۲۹۵۷

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳: ۳۸۰، رقم: ۶۳۷۱، ۶۳۷۲

زائراً؟ فقال لا، بل عائداً. فقال علي رضی اللہ عنہ: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: ما من مسلم يعود مسلماً غدوة إلا صلى عليه سبعون ألف ملك حتى يمسي وإن عاده عشية إلا صلى عليه سبعون ألف ملك حتى يصبح وكان له خريف في الجنة.(۱)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: میرے ساتھ آؤ حسن کی عیادت کریں اور ہم نے دیکھا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو موسیٰ! کیا تم حسن کی عیادت کے لئے آئے تھے یا ملنے کے لئے؟ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں بلکہ میں عیادت کے لئے آیا ہوں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرے تو شام تک اس پر ستر ہزار فرشتے سلام بھیجتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس پر سلام بھیجتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کیلئے ایک چشمہ (خاص) کر دیا جائے گا۔‘‘

طبی سہولیات کی فراہمی کا حق

اسلام نے جملہ فرائض کی ادائیگی کو صحت کے ساتھ مشروط ٹھہرایا ہے۔ مریضوں کو فرائض کی ادائیگی میں رعایت عطا کی گئی ہے۔ مریضوں کو جہاں عیادت اور مزاج پرسی کا

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عيادة المريض، ۳: ۳۰۰، رقم: ۹٦۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۷۰۲

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲٦٦، رقم: ۷۴٦۴

۴۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۵۰۱، رقم: ۱۲۹۴

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳: ۳۸۰، رقم: ٦۳۷٦

سماجی و معاشرتی حق عطا کیا گیا ہے وہاں انہیں یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنی صحت کی بحالی اور علاج و معالجہ کے لئے اقدامات کر سکیں۔ بیماری کی وجہ سے عبادات اور فرائض میں رعایت کے احکامات قرآن مجید نے یوں بیان کئے:

۱۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ج وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ج فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ج فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ٥ (۱)

’’اور حج اور عمرہ (کے مناسک) اللہ کے لئے مکمل کرو، پھر اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جو قربانی بھی میسر آئے (کرنے کے لیے بھیج دو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوا لے تو اس کے) بدلے میں روزے (رکھے) یا صدقہ (دے) یا قربانی (کرے) پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کردے) پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے (زمانۂ) حج میں رکھے اور سات جب تم حج سے واپس لوٹو، یہ پورے دس (روزے) ہوئے، یہ (رعایت) اس کے لئے ہے جس کے اہل و عیال مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۹۶

ہوں، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہےo‘‘

۲۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo (۱)

’’ضعیفوں (کمزوروں) پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ (ہی) ایسے لوگوں پر ہے جو اس قدر (وسعت بھی) نہیں پاتے جسے خرچ کریں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کیلئے خالص و مخلص ہو چکے ہوں، نیکو کاروں (یعنی صاحبانِ احسان) پر الزام کی کوئی راہ نہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo‘‘

۳۔ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًاo (۲)

’’(جہاد سے رہ جانے میں) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ (ہی) بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا وہ اسے بہشتوں میں داخل فرما دے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی، اور جو شخص (اطاعت سے) منہ پھیرے گا وہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گاo‘‘

مغربی قانون اور طبی سہولیات کا حق

صحت کی نگہداشت اور طبی سہولیات پر ہر ایک کا حق ہے تاکہ ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ معیارِ صحت برقرار رکھا جا سکے۔ اس کی یقین دہانی 1948ء کے Universal

(۱) التوبۃ، ۹: ۹۱

(۲) الفتح، ۴۸: ۱۷

Declaration of Human Rights، 1966ء کے The International
Covenant on Economic, Social and Cultural Rights، 1948ء
کے The American Declaration of Rights and Duties of Man
اور 1981ء کے The African Charter on Human and People's
Rights میں کرائی گئی ہے۔ یورپی ماہرین کی کمیٹی (European Committee of
Experts) نے جانچ پرکھ کے لئے کچھ بنیادی اصول مقرر کئے ہیں جن کی موجودگی کسی ملک کی طرف سے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کی شہادت فراہم کرسکتی ہے۔ جانچ پرکھ کے ان اصولوں کے مطابق یورپین سوشل چارٹر 1961ء کے تحت ایک ریاست اپنے فرض کو ادا کرنے کی حالت میں اس وقت متصور ہوگی جب وہ طبی اور صحت کے علاج معالجہ کا نظام قائم کرے گی تاکہ لوگوں کو ضروری حدتک مناسب طبی خدمات فراہم کی جاسکیں۔

European Committee of Experts نے طے کیا ہے کہ منشور کا پابند کوئی ملک مذکورہ آرٹیکل کے تحت اپنی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھا جائے گا اگر وہ اس امر کی شہادت فراہم کردے کہ وہ درج ذیل اقدامات پر مشتمل طبی خدمات اور صحت کے نظام کو وجود میں لے آیا ہے:

۱۔ عوامی صحت کے لیے کئے گئے انتظامات کے تحت میڈیکل اور تربیت یافتہ نگران طبی عملہ اور صحت کے بڑے مسائل کی مناسبت سے موزوں سامان و آلات اور ان انتظامات کو یقینی بنانا ہوگا:

(ا) تمام تر آبادی کے لئے مناسب طبی سہولیات

(ب) بیماری کی تشخیص اور روک تھام

۲۔ ماؤں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے حفظانِ صحت کے خصوصی اقدامات

۳۔ عمومی اقدامات جو بالخصوص پانی اور ہوا کی آلودگی روکنے کے لئے کیے جائیں۔ تابکار اشیاء کے اثرات سے تحفظ، شور میں کمی، غذائی کنٹرول، تحفظِ ماحول و

صحت اور شراب نوشی و منشیات کی روک تھام

۴۔ تعلیمِ صحت کا نظام

۵۔ حفاظتی ٹیکے، جراثیم کش ادویات کا چھڑکاؤ اور متعدی و بائی امراض کی روک تھام، علاقائی اور وبائی امراض پر قابو پانے کے ذرائع کی فراہمی، اجتماعی تنظیموں کی طرف سے تمام یا کم از کم خدمات صحت کے مصارف کے خاطر خواہ حصے کی برداشت۔(۱)

مندرجہ بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ معاشرے میں مریض کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ اس ضمن میں مریضوں کے لئے ہسپتال، ڈسپنسریاں، صحت کے مراکز وغیرہ کا اجراء ناگزیر ہے۔ ان علاج گاہوں میں ادویات کی فراہمی، متعلقہ مرض کا سپیشلسٹ ڈاکٹر، آپریشن تھیٹر اور پیرا میڈیکل سٹاف کی تعیناتی اہم امور شامل ہیں۔ یہ حکومت ہی کا فرض نہیں ہے کہ وہ ہسپتال اور ڈسپنسریاں بنائے بلکہ معاشرے کے متمول افراد کو بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ نجی سطح پر خیراتی ہسپتال، فری ڈسپنسریاں قائم کر کے معاشرہ کے مصیبت زدہ (بیماروں) کے ساتھ بھلائی کی جا سکتی ہے۔ ایسی بھلائی کرنا اسلامی تعلیمات میں شامل ہے۔

۷۔ حقِ انصاف

فرد کا فطری تقاضا ہے کہ اسے انصاف ملے اگر وہ مظلوم ہے تو ظالم کو سزا دی جائے اور اگر کسی نے اس کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی کی ہے تو اس کا ازالہ بذریعہ عدالت، قانون، جرم و سزا سے کیا جائے۔ حقِ انصاف میں چند ذیلی حقوق بھی شامل ہیں۔

(۱) قانونی مساوات کا حق

(۲) حصولِ انصاف کا حق

(۱) سگارٹ، حقوقِ انسانی کا بین الاقوامی قانون: ۱۹۵۔ ۱۹۸

(۳) آزادانہ سماعت کا حق

(۴) دوسروں کے جرائم سے برأت کا حق

(۵) صفائی پیش کرنے کا حق

اب ذیل میں ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

(۱) قانونی مساوات کا حق

اسلام کا عطا کردہ حقِ مساوات صرف عمومی یا سماجی و معاشرتی نوعیت ہی کا نہیں بلکہ قانونی اور ریاستی سطح کا بھی حامل ہے۔ اسلامی ریاست کے تمام شہری یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔ اسلام کے عطا کردہ قوانین کے نفاذ کے باب میں شہریوں میں کسی بھی نوعیت کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا بلکہ حقوق و فرائض کے تعین کے لیے جب بھی قانون کے نفاذ کی ضرورت پڑے گی وہ مساوی بنیادوں پر نافذ کیا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس نوعیت کے بے شمار نظائر کا حامل ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیثِ مبارکہ سے ظاہر ہے:

۱۔ عن حسن بن محمد بن علي قال: سرقت امرأة. قال عمرو: حسبت أنه قال: من بنات الكعبة، فأتى بها النبي ﷺ، فجاء عمر بن أبي سلمة، فقال للنبي ﷺ: إنها عمتي، فقال النبي ﷺ: لو كانت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها.[1]

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۰۲، رقم: ۱۸۸۳۱

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الحدود، باب إقامة الحدود على الشريف والوضيع، ٦: ۲۴۹۱، رقم: ٦۴۰۵

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره والنهي عن الشفاعة في الحدود، ۳: ۱۳۱٦، رقم: ۱٦۸۹

’’حضرت حسن بن محمد بن علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک عورت نے چوری کی عمرو کا کہنا ہے کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ قریش کے معزز خاندان میں سے تھی۔ پس اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ تو عمر بن ابی سلمہ آئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یہ میری پھوپھی ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹتا۔‘‘

۲۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أن قريشًا أهمهم شأن المرأة (المخزومية) التي سرقت في عهد النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، في غزوة الفتح. فقالوا: من يكلم فيها رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ فقالوا: ومن يجترئ عليه إلا أسامة بن زيد، حبّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ فأتي بها رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. فكلمه فيها أسامة بن زيد. فتلون وجه رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. فقال ”أتشفع في حد من حدود الله؟ فقال له أسامة: استغفر لي. يا رسول الله!، فلما كان العشي قام رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاختطب فاثنى على الله بما هو أهله. ثم قال: ’’أما بعد. فإنما أهلك الذين من قبلكم، أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف، تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف، أقاموا عليه الحد. وإني، والذي نفسي بيده، لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها“ ثم أمر بتلك المرأة التي سرقت فقطعت يدها.[1]

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره والنهي عن الشفاعة في الحدود، ۳: ۱۳۱۵، رقم: ۱۶۸۸

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر أسامة بن ←

’’قریش کو اس عورت کی خاندانی شرافت کا خیال آیا کہ جس نے فتح مکہ کے موقع پر چوری کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کون رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کرے گا؟ انہوں نے کہا کہ وہ صرف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ جو حضور نبی اکرم ﷺ کے لاڈلے ہیں۔ اس عورت کو حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں سفارش کی تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا کیا: تم اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کر رہے ہو؟ پس حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا: اللہ تعالیٰ کی، اس کے لائق، تعریف کی پھر فرمایا: بے شک تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ جب کبھی کسی امیر نے چوری کی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور جب کبھی کسی کمزور نے چوری کی تو اس پر حد قائم کر دیتے اور میں وہ ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔‘‘

۳۔ درج ذیل حدیث بھی حقِ انصاف کی فراہمی کی اہم مثال ہے:

عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن أسيد بن حضير رجل من الأنصار، قال: بينما هو يحدث القوم و كان فيه مزاح بينا يضحكهم، فطعنه النبي ﷺ في خاصرته بعود، فقال: أصبرني، قال: اصطبر، قال:

.... زید رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۶۶، رقم: ۳۵۲۶

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الحدود، باب ما جاء في كراهية أن يشفع في الحدود، ۴: ۳۷، رقم: ۱۴۳۰

إن عليک قميص وليس عليّ قميص، فرفع النبي ﷺ عن قميصه فاختضنه وجعل يقبل كشحه، قال: إنما أردت هذا يارسول الله!. (۱)

”عبد الرحمٰن بن ابو لیلیٰ سے روایت ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو انصار کے ایک فرد تھے، وہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور مزاحیہ باتیں سنا کر لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک لکڑی سے کونچا دیا۔ اس نے عرض کی کہ مجھے قصاص دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: لے لو۔ عرض گزار ہوئے کہ آپ ﷺ کے اوپر قمیص ہے جب کہ میرے اوپر قمیص نہ تھا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا کرتا مبارک اٹھا دیا تو وہ لپٹ گئے اور آپ ﷺ کے پہلو کو بوسہ دینے لگے، عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! میرا صرف یہی مقصد تھا۔“

(۲) حصولِ اِنصاف کا حق

قرآن مجید نے زندگی کے تمام معاملات کو عدل و انصاف پر استوار کرنے کی تعلیم دے کر ہر شخص کو بے لاگ انصاف کے حصول کا حق عطا کر دیا ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یہ مضمون واضح ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا بنیادی مقصد معاشرتی اور ریاستی معاملات کو عدل و انصاف پر استوار کرنا ہے تاکہ اسلامی معاشرے کا کوئی فرد ظلم اور استحصال کا شکار نہ ہو۔ ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في قبلة الجسد، ۴: ۳۵۶، رقم: ۵۲۲۴

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۰۵، رقم: ۵۵۶

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۳: ۳۲۷، رقم: ۵۲۶۲

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۰۲، رقم: ۱۳۳۶۴

النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ۝ (۱)

’’بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ۝‘‘

۲۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۝ (۲)

’’(اے رسولِ گرامی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس (حق) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ (کبھی) بددیانت لوگوں کی طرف داری میں بحث کرنے والے نہ بنیں ۝‘‘

۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۝ (۳)

’’اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے (محض) اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ (گواہی) خود تمہارے اپنے یا

(۱) النساء، ۴: ۵۸

(۲) النساء، ۴: ۱۰۵

(۳) النساء، ۴: ۱۳۵

(تمہارے) والدین یا (تمہارے) رشتہ داروں کے ہی خلاف ہو اگرچہ (جس کے خلاف گواہی ہو) مال دار ہے یا محتاج، اللہ ان دونوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہشِ نفس کی پیروی نہ کیا کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ (گے) اور اگر تم (گواہی میں) پیچدار بات کرو گے یا (حق سے) پہلوتہی کرو گے تو بے شک اللہ (ان سب کاموں سے) جو تم کر رہے ہو خبردار ہے۔‘‘

۴۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱)

’’اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے۔‘‘

۵۔ وَکَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ کَفَّارَةٌ لَّهٗ ط وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۲)

’’اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض کان اور

(۱) المائدۃ، ۵: ۸

(۲) المائدۃ، ۵: ۴۵

دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے تو جو شخص اس (قصاص) و صدقہ (یعنی معاف) کر دے تو یہ اس (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہو گا اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں○‘‘

۶۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○[۱]

’’اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ اور تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم (کسی کی نسبت کچھ) کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کیا کرو یہی (باتیں) ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو○‘‘

۷۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ○[۲]

’’فرما دیجئے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور تم ہر سجدہ کے وقت و مقام پر اپنے رخ (کعبہ کی طرف) سیدھے کر لیا کرو اور تمام تر فرمانبرداری اس کے لیے خاص کرتے ہوئے اس کی عبادت کیا کرو جس طرح اس نے تمہاری (خلق و حیات کی) ابتداء کی تم اسی طرح (اس کی طرف) پلٹو گے○‘‘

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۲

(۲) الاعراف، ۷: ۲۹

۸۔ اِنَّ اللهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَo(۱)

’’بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا، اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھوo‘‘

۹۔ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ج وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللهُ مِنْ كِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط اَللهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ط لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ط لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط اَللهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ط وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُo(۲)

’’پس آپ اسی (دین) کے لئے دعوت دیتے رہیں اور جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے (اسی پر) قائم رہئے اور اُن کی خواہشات پر کان نہ دھریئے، اور (یہ) فرما دیجئے: جو کتاب بھی اللہ نے اتاری ہے میں اُس پر ایمان رکھتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں۔ اللہ ہمارا (بھی) ربّ ہے اور تمہارا (بھی) ربّ ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث و تکرار نہیں، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کا) پلٹنا ہےo‘‘

۱۰۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ.(۳)

---

(۱) النحل، ۱۶: ۹۰

(۲) الشوریٰ، ۴۲: ۱۵

(۳) الحدید، ۵۷: ۲۵

’’بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں۔‘‘

(۳) آزادانہ سماعت کا حق

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام فریقوں کو سماعت کا مساوی حق نہ دے دیا جائے چونکہ نزول قرآن مجید کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہے اس لئے ہر فردِ معاشرہ کو سماعت کا حق عطا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید سے یہ امر واضح ہے کہ اس حق کا تعین خود اللہ رب العزت نے اپنی سنت سے کیا جب آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تو ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس سرتابی پر ابلیس کو سزا دینے سے پہلے وضاحت کا موقع دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ (۱)

’’بیشک ہم نے تمہیں (یعنی تمہاری اصل کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت گری کی (یعنی تمہاری زندگی کی کیمیائی اور حیاتیاتی ابتداء و ارتقاء کے مراحل کو آدم (علیہ السلام) کے وجود کی تشکیل تک مکمل کیا) پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا ○‘‘

۲۔ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (۲)

’’ارشاد ہوا: (اے ابلیس!) تجھے کس (بات) نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا

(۱) الاعراف، ۷: ۱۱
(۲) الاعراف، ۷: ۱۲

جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا، اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے٥‘‘

۳۔ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ٥ (۱)

’’ارشاد ہوا: پس تو یہاں سے اتر جا! تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو یہاں تکبر کرے پس (میری بارگاہ سے) نکل جا۔ بیشک تو ذلیل وخوار لوگوں میں سے ہے٥‘‘

۴۔ اسی طرح جب حضرت سلیمان ؑ کی ریاستی انتظامیہ (State bureaucracy) کا ایک حصہ یعنی ہُدہُد بغیر آپ کو اطلاع دیئے لشکر سے غائب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے سخت سزا دوں گا اِلّا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے۔ یعنی حضرت سلیمان ؑ نے ہُدہُد کو سزا دینے سے پہلے حقِ سماعت عطا کیا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ٥ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَا اَذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ٥ (۲)

’’اور سلیمان (ؑ) نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ پا رہا یا وہ (واقعی) غائب ہو گیا ہے٥ میں اسے (بغیر اجازت غائب ہونے پر) ضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس (اپنے بے قصور ہونے کی) واضح دلیل لائے گا٥‘‘

(۱) الاعراف، ۷: ۱۳

(۲) النمل، ۲۷: ۲۰، ۲۱

(۴) دوسروں کے جرائم سے برأت کا حق

عدل و انصاف کا لازمی تقاضا ہر شخص کو صرف اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دینا ہے۔ اسلام نے ہر فردِ معاشرہ کو عدل و انصاف کی اس روح کے پیشِ نظر دوسروں کے جرائم سے برأت کا بنیادی حق عطا کیا ہے کہ ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور دنیا یا آخرت میں کہیں بھی کسی کو دوسرے کے اعمال و افعال کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جائے گا:

۱۔ **تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ج لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○** (۱)

’’وہ ایک امت تھی جو گزر چکی، ان کے لیے وہی کچھ ہو گا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہو گا جو تم کماؤ گے، اور تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ کی جائے گی ○‘‘

۲۔ **مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○** (۲)

’’جو کوئی راہِ ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لیے ہدایت پر چلتا ہے اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال (بھی) اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے (گناہوں کا) بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم ہرگز عذاب دینے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ہم (اس قوم میں) کسی رسول کو بھیج لیں ○‘‘

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۳۴

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۵

(۵) صفائی پیش کرنے کا حق

معاشرہ میں مختلف اخلاقی، سماجی، معاشی و معاشرتی برائیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ اکثر اوقات جھگڑا، فساد اور مار پیٹ تک نوبت چلی جاتی ہے۔ مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ مظلوم کی داد رسی نہیں ہوتی اور اس کو بسا اوقات قانون نافذ کرنے والے ادارے بوجہ رشوت، سفارش، فرض شناسی اور ذمہ داری سے پہلو تہی کرتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ سراسر ناانصافی اور ظلم کے مترادف ہے۔ ایک طرف اگر مظلوم، ستم زدہ اور مجبور شخص کو اپنی شکایت حکام بالا سے عرض کرنے کی اجازت ہونی چاہیے تو اس کے ساتھ ساتھ دوسری جانب اس پر لگائے گئے الزامات کی نفی کرنے کے لئے صفائی پیش کرنے کا حق دینا بھی ضروری ہے۔ اسلام ان اقدامات کی بھرپور حمایت کرتا ہے کیونکہ یہ عمل معاشرہ سے ناانصافی، ظلم، جبر اور استحصال ختم کرنے میں مدد و معاون ہے۔

اسلام ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔ چونکہ جملہ معاملات کے تصفیہ میں اسلام کا بنیادی اصول عدل و انصاف کا قیام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ○[1]

”اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ○“

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنا مؤقف بیان کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بنیادی حق عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(۱) النساء، ۴: ۵۸

فإذا جلس بين يديك الخصمان فلا تقضين حتى تسمع من الآخر كما سمعت من الأول.(۱)

”جب تیرے پاس دو فریق فیصلہ کروانے کے لئے آئیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے فریق کو بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے فریق سے سنا تھا۔“

معاشی کفالت کے سلسلہ میں مندرجہ بالا سات حقوق کا تمام افرادِ معاشرہ تک پہنچنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کے ساتھ ساتھ نجی شعبہ کے صاحبِ حیثیت افراد کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام افراد کی ان حقوق تک رسائی کو یقینی بنائیں۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأقضية، باب كيف القضاء، ۳: ۳۰۱، رقم: ۳۵۸۲
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۵
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۱۴۰